ڈاکٹر محمد امیر ملک

شعبۂ اردو،گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج لیہ

جنوبی پنجاب کی شعری روایت کا تاریخی،تہذیبی اور لسانی پس منظر

Dr. Mohammad Amir Malik

Department of Urdu, Government Post Graduate College Layyah

Historical, Cultural and Linguistic Background of Poetic Tradition of Southern Punjab

The Southern Punjab term was used first in 1980, though it has no constitutional value even that the area consists of Multan, Muzaffargarh, Layyah and Rajanpur is commonly known Northern Punjab. Multan remained a capital city of this area. It has distinguished and very rich culture. Its peculiar Linguistic values and civilization are mark able. In this article author discussed the Literary, Linguistic to the value of Urdu poetry understand work of this area.

اردو زبان کی نشو نما اور شعری روایات کے حوالے سے جنوبی پنجاب کی اہمیت اتنی ہے جتنی برصغیر کے دوسرے علاقوں کی۔اس مضمون میں جنوبی پنجاب کے جغرافیائی تعارف کے ساتھ جنوبی پنجاب میں اردو زبان کی نشو نما نیز اس علاقے میں شعری روایات کے آغاز کا تفصیلی جائزہ پیش لیا گیا ہے۔جنوبی پنجاب کی اصطلاح بیسوی صدی کی ۸۰ء کی دہائی میں متعارف ہوئی ہے۔وفاقی سطح پر اور صوبائی سطح پر اس کی حدود کا تعین نہیں کیا گیا ہے۔اس بارے میں کوئی باقاعدہ نوٹیفکیشن بھی موجود نہیں۔بالعموم جنوبی پنجاب میں درج ذیل اضلاع کو شامل کیا جاتا ہے ملتان،لودھراں،وہاڑی،خانیوال،پاک پتن،بہاول پور،بہاول نگر،رحیم یار خان،ڈیرہ غازی خان،راجن پور،مظفر گڑھ اور لیہ۔اس ضمن میں محمد سعید احمد (ایگزیکٹوڈسٹرکٹ آفیسر کمیونٹی ڈیلوپلپمنٹ ملتان) کی رائے یہ ہے:

> آئینی طور پر جنوبی پنجاب کا کوئی وجود نہ ہے اور نہ ہی حکومتِ پنجاب کا کوئی نوٹیفکیشن ہے جس میں جنوبی پنجاب کی حدود بیان کی گئیں ہوں۔۔۔اس لیے میری اپنی ذاتی رائے کے مطابق جنوبی پنجاب میں جو علاقہ جات/اضلاع شامل ہو سکتے ہیں وہ سابقہ ملتان ڈویژن ماسوائے ضلع ساہیوال۔۔۔مکمل سابقہ ڈویژن ڈیرہ غازی خان اور مکمل سابقہ ڈویژن بہاول پور ہیں۔[1]

بہاول پور،بہاول نگر اور رحیم یار خان کے علاوہ دیگر اضلاع 1981 تک ملتان ڈویژن کا حصہ رہے ہیں۔ڈیرہ غازی خان 1981ء میں الگ ڈویژن بنا اور اس میں راجن پور،مظفر گڑھ اور لیہ کے اضلاع شامل کیے گئے۔ان تمام اضلاع میں مرکزی حیثیت ملتان کو حاصل ہے

اور جنوبی پنجاب کا مرکزی شہر ملتان ہی بنتا ہے۔ یہ علاقہ جسے جنوبی پنجاب کہا جاتا ہے۔صدیوں سے تہذیبی اور سیاسی اعتبار سے الگ پہچان رکھتا ہے۔ ماضی میں یہ علاقہ سلطنت ملتان یا صوبہ ملتان کہلاتا تھا۔اس بات کی وضاحت پروفیسر شوکت مغل نے اس طرح کی ہے:

> آج جس علاقے کو جنوبی پنجاب کہا جا رہا ہے ماضی میں اُسے سلطنت ملتان کہا جاتا رہا ہے۔جس کی نسبت سے اس علاقے کی زبان کو'ملتانی' کہا گیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ محققین نے جب اس علاقے کی زبان اور اس کے ادب پر کام کیا تو اِسے''ملتان میں ادب''یا''ملتان میں شاعری'' کا نام دیا۔ 2

ریاست بہاول پور(بہاول پور، رحیم یار خان اور بہاول نگر) کا علاقہ 1727ء میں صوبہ ملتان سے الگ ہوا۔1947ء کے بعد اس کا الحاق پاکستان سے ہو گیا۔1955ء میں ون یونٹ کے قیام کے ساتھ ہی ریاست بہاول پور کو ختم کر کے ڈویژن بنا دیا گیا۔تہذیبی، تاریخی اور لسانی اعتبار سے یہ جنوبی پنجاب ہی کا حصہ ہے۔جنوبی پنجاب کی تہذیبی وحدت کے حوالے سے ڈاکٹر مہر عبدالحق کی رائے یہ ہے:''تمدنی لحاظ سے یہ(ریاست بہاول پور) ملتان، مظفر گڑھ اور ڈیرہ غازی خان سے مختلف نہیں بلکہ اس خطے کا جزوِ اعظم ہے''۔ 3 ڈاکٹر شکیل پتافی نے جنوبی پنجاب کی اصطلاح پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:''پنجاب کے جنوبی علاقے میں واقع بہاول پور، ملتان اور ڈیرہ غازی خان کا خطہ زمانۂ قدیم سے ایک ہی تاریخی اور لسانی پس منظر کا حامل رہا ہے۔اس اعتبار سے ہر عہد میں اس خطے کی اپنی الگ پہچان بھی رہی ہے''۔ 4

بہاول پور، ملتان اور ڈیرہ غازیخان کے علاقے لسانی اور تہذیبی اعتبار سے ہمیشہ ایک جیسی روایات کے حامل رہے ہیں۔اس خطے کے تمام حصوں کو ایک وحدت تصور کیا جائے تا کہ وہاں کے علمی، ادبی، لسانی اور شعری سرمائے کو پرکھا جائے۔علاوہ ازیں اس پورے خطے کے مجموعی شعری مزاج کو تاریخی وتہذیبی پس منظر میں سمجھا جا سکے اور اردو شعر وسخن کی روایات کی فنی قدر و قیمت کا تعین کیا جا سکے۔

وادیِ سندھ کی تہذیب دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں شمار ہوتی ہے۔اس تہذیب کے قدیم باسیوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ سامی، سومیری اور ڈراوڈین نسل کے لوگ تھے جو مصر اور عراق کے علاقے سے یہاں ترکِ وطن کر کے آئے اور یہاں دریاؤں کے کنارے اپنی بستیاں بسائیں۔ یہ بستیاں زیادہ تر دریاؤں کے مقام اتصال پر یعنی دریائے سندھ، پنجند اور راوی کے کناروں پر قائم ہوئیں۔ علامہ عتیق فکری اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> جدید تحقیق کی رو سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ قبل مسیح 3500 سال قدیم قوموں میں سے سومیری اور ڈراویڈین اور سامی، پہاڑی دروں کو پھاندتے ہوئے مغربی پاکستان کے دریاؤں کے کنارے آئے اور ان لوگوں نے اپنی بستیاں قائم کیں۔ یہ بستیاں دریائے سندھ کے کنارے پنجند کے قریب اور راوی اور ستلج کے کنارے، ادھر ملتان کے علاقے میں جہاں ایک طرف راوی اور دوسری طرف چناب بہتے ہیں پھر جلیل پور اور ہڑپہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ 5

ملتان اور گرد ونواح کے علاقوں کے آثار سے، جو وادیِ سندھ کے نمائندہ علاقے ہیں، یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ یہ تہذیب اتنی ہی قدیم ہے جتنی بابل، نینوا اور مصر کی تہذیبیں ہیں۔وادیِ سندھ کی تہذیب کی قدامت دوسری قدیم تہذیبوں سے کسی صورت کم نہیں عتیق فکری نے لکھا ہے:

> محققین کو اس بات کا اعتراف ہے کہ سندھ و ملتان کے علاقے کی قدیم تہذیبیں مشرقِ وسطیٰ کی

تہذیبوں کے دوش بدوش ارتقائی منازل طے کرتی رہی ہیں۔فرق صرف اتنا ہے کہ مشرقِ وسطیٰ کی قدیم تہذیبیں تاریخی اور مذہبی طور پر محفوظ چلی آتی رہیں اور سندھ وملتان کی تہذیبیں، بیرونی حملہ آوروں نے اِن تہذیبوں کے وارثوں کو یا تو مار بھگایا یا اُنہیں بالکل غلام بنالیا۔ 6

دریاؤں کے کنارے آباد لوگوں کی تمدنی زندگی کے آثار بتاتے ہیں کہ یہ علاقہ اپنی زرخیزی کی وجہ سے غیرملکی حملہ آوروں کے لیے اپنے اندر دلکشی رکھتا تھا۔یہی وجہ ہے کہ اس علاقہ میں حملہ آوروں کا ایک سلسلہ موجود ہے۔

اس قدیم تہذیب نے یہاں کی معاشرت، تاریخ اورلسانی زندگی پرانمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ڈاکٹر مہرعبدالحق نے لکھا ہے: ''اس تہذیب نے جو وادیِ سندھ کی گود میں آج سے چار ہزار سال پہلے پرورش پاتی رہی۔ یہاں کی زبان کو کیا کچھ نہ دیا ہوگا''۔ 7 محققین کی رائے ہے کہ سب سے پہلے جن قبائل نے وادیِ سندھ پر یلغار کی وہ آریا تھے۔ یہ قبائل تقریباً ایک ہزار سال(2500 قبل مسیح سے 1500 قبل مسیح) تک مسلسل یہاں حملہ آور ہوتے رہے اور یہاں کی تہذیبی اور تمدنی زندگی پراثر انداز ہوتے رہے۔ڈاکٹر مہرعبدالحق کی رائے میں:

> آریا قوم قدیم زمانے میں بحیرہ کاسپین کے مغربی اور جنوبی علاقے ۔۔۔ میں آباد تھی۔ وہاں سے مشرق کی جانب متوجہ ہوکر اصفہان اور وسط ایران میں پھیل گئی۔ وہاں سے قندھار ہوتی ہوئی دریائے سندھ کے کنارے پہنچی اور سندھ کوعبور کر کے ملتان اور صوبہ ملتان سے پنجاب ہوتی ہوئی دوآبہ گنگ وجمن اور وہاں سے بہار تک پہنچی۔اس سفر میں اس کومختلف علاقوں کے اندر سیکڑوں سال قیام کرنا پڑا ہوگا۔رگِ وید پنجاب وملتان کے قیام کی حالت میں تصنیف ہوئی۔ 8

آریاؤں کو وادیِ سندھ کی آب وہوا بہت پسند آئی۔انھوں نے اپنے عقائد وتصورات کو مقامی لوگوں کے رسوم ورواج سے ہم آہنگ کرنے اور سماجی زندگی کے ضابطوں کو مقامی لوگوں سے مربوط کرنے کے لیے یہاں پہلی کتاب ''رگ وید'' سنسکرت زبان میں لکھی۔ڈاکٹر مہرعبدالحق کی تحقیق سے دیگر محققین بھی اتفاق کرتے ہیں مثلاً عتیق فکری نے لکھا ہے: ''اس (رگ وید) کا تین چوتھائی سے بھی زیادہ حصہ پنجند،علی پور، ملتان اور ساہیوال یعنی ہڑپہ کے علاقہ میں تصنیف ہوا''۔ 9 گویا آریاؤں کا پہلا پڑاؤ بھی جنوبی پنجاب کا علاقہ ہے اور اُن کی آبادکاری اور تمدنی زندگی کا آغاز بھی اِسی سرزمین پر ہوا ہے۔ابنِ حنیف نے مذکورہ تحقیق کو آگے بڑھاتے ہوئے ملتان کی قدامت کے بارے میں لکھا ہے:

> ملتان کی قدامت اور اہمیت کے سلسلے میں ایک بات ذہن نشین رہنی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ نہ صرف سکندر اعظم بلکہ عروج یافتہ ہڑپائی دور(2500ق م تا2000ق م) میں بھی ملتان میں قلعہ اور فصیل موجود تھی۔ چنانچہ سوا دو ہزار سال قبل ملتان میں قلعہ کی موجودگی سے باآسانی یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسے اتنا بڑا مرکزی اور اہم شہر بننے میں کتنا عرصہ صرف ہوا ہوگا کہ جہاں قلعہ بھی بن سکے۔ 10

سکندر مقدونی وادی سندھ میں تقریباً دو سال رہا۔(328ق م تا326ق م)۔اس عرصے میں اُس نے نو باقاعدہ جنگیں لڑی۔ان جنگوں میں سب سے زیادہ مزاحمت کا سامنا اُسے ملتان میں کرنا پڑا۔ یہاں وہ شدید زخمی ہوا۔سکندر کے حملہ سے پہلے ملتان سیاسی وتہذیبی اہمیت اختیار کر چکا تھا۔یہی وجہ ہے کہ ملتانیوں نے اپنی سیاسی وتہذیبی بقا کے لیے سکندر کی بھرپور مزاحمت کی۔ چنانچہ اس کی موت کا سبب بھی ملتانیوں کے لگائے ہوئے زخم بنے۔یحییٰ امجد نے لکھا ہے: ''یونان کے اندر جو تحقیقات ہوئی ہیں وہ یہ بتاتی ہیں کہ اُس کی موت کا سبب وہ زخم تھے جو اُسے ملتان

میں لگے تھے''۔ [11] ملتانیوں کی مزاحمت اور کاری زخم کی وجہ سے اُس نے واپس یونان جانے کا قصد کیا لیکن راستے ہی میں جون، 323 قبل مسیح بابل (عراق) میں فوت ہوگیا۔

جنوبی پنجاب تاریخی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ خطہ ہر دور میں اپنی شادابی وزرخیزی کی وجہ سے حملہ آوروں کے لیے پرکشش بنا رہا۔ ڈاکٹر مہر عبدالحق کے نزدیک دکن تک جنوبی پنجاب کی تہذیبی روایت سفر کرتی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے: ''آج سے چار ہزار سال پہلے یہ سرزمین ایک تہذیب کی پرورش کرتی رہی ہے۔۔۔ یہ تہذیب موہنجوداڑو، ملتان اور ہڑپہ سے چل کر دکن میں پہنچی''۔ [12] یہی وجہ ہے کہ جنوبی پنجاب اور دکن کے تاریخی ولسانی روابط کی گواہی تاریخ کے اوراق دے رہے ہیں۔ جنوبی پنجاب اور دکن کے تاریخی وتہذیبی روابط کے حوالے سے مسعود حسن شہاب کی رائے یہ ہے: ''موہن جوڈیرو اور ہڑپہ کے مقام پر جو قدیم قبریں دریافت ہوئی ہیں وہ دکن اور جنوبی ہند کی قبروں سے جہاں دراوڑی قومیں اب تک آباد ہیں بالکل مشابہ ہیں''۔ [13]

ملتان کی طرح اوچ بھی اس خطۂ ارضی پر ایک ایسے شہر کا نام ہے جس کی قدامت ملتان کے ہم پلہ بتائی جاتی ہے۔ جس طرح آریاؤں کے دور سے پہلے ملتان میں تہذیبی زندگی کے آثار ملنے کی نشاندہی ہوتی ہے اسی طرح اوچ کے تاریخی پس منظر سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اس کی تہذیبی قدامت ملتان سے کسی طرح کم نہیں۔ اوچ کی قدامت کے بارے میں مسعود حسن شہاب نے لکھا ہے:

> اوچ کی بستی کب بسائی گئی اور کون لوگ تھے جنہوں نے اسے پہلے پہل آباد کیا اس بارے میں تاریخ حتمیت کے ساتھ کوئی بات بتانے سے قاصر ہے۔ البتہ آثار و قرائن کی رو سے جو قیاس آرائیاں کی جاتی ہیں اُن کی بنا پر یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آریاؤں کی آمد سے پہلے اس شہر کی بنیاد پڑی اور یہاں اُس تہذیب نے ابتداء میں جنم لیا۔ جس کے ڈانڈے برصغیر میں ہڑپہ، موہنجوداڑو اور عراق میں سمیری تہذیب سے ملے ہوئے ہیں۔ [14]

جنوبی پنجاب میں ملتان کے ساتھ ساتھ اوچ کی اہمیت اور قدامت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ محققین کے خیال میں اوچ سکندرِ اعظم کے حملے کے وقت بھی موجود تھا۔ یحییٰ امجد نے لکھا ہے: ''سکندر نے دریائے پنجند اور دریائے سندھ کے سنگم پر ایک شہر سکندریہ بسایا جو اوچ کے قریب تھا۔ اسے وسطی زمانے میں اسکلند ساب کہتے تھے۔ بعد میں اسی کو اسکلندہ بھی کہا جاتا تھا''۔ [15]

گویا یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سکندر اعظم کے حملے سے قبل اوچ کا شہر موجود تھا۔ اس قدر قدیم شہر یقینی طور پر تہذیبی وتمدنی طور پر بھی اہمیت کا حامل ہوگا۔ ملتان، اوچ، گجرات اور سندھ کا علاقہ ازمنہ وسطی میں سیاسی اور جغرافیائی وحدت تھا۔ ڈیراور کا قلعہ جو بہاول پور کے قدیم تاریخی قلعوں میں سے ہے۔ ہندو ریاست جیسلمیر کی عملداری میں تھا۔ ڈیراور ان دنوں ریگستان نہیں بلکہ دریا کی گزرگاہ پر واقع ہونے کی وجہ سے بڑا سرسبز وشاداب خطہ تھا اور یہ دریا جس کا نام تاریخ میں 'ہاکڑا' یا گھاگرا ہے جو اوچ اور وسطی ہندوستان کے شہروں کے درمیان رابطے کا ایک سلسلہ تھا۔ اوچ کی طرح اجمیر بھی دریائے گھاگھرا کے کنارے آباد ہے اور آج بھی اس کی گذرگاہ اجمیر کے قریب پانچ میل کی مسافت پر واقع ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اوچ کے جنوبی اور وسطی ہندوستان کے ساتھ قدیم تہذیبی رابطے موجود تھے۔

وادی سندھ میں مسلمانوں کے حملوں کا آغاز حضرت عمرؓ کے دور 636ء میں شروع ہوا۔ پہلا حملہ بحرین اور عمان کے گورنر عثمان ابی عاص ثقفی کے بھائی مغیرہ نے دیبل پر کیا۔ ایشوری پرشاد نے اس سلسلے میں لکھا ہے۔

" The first recorded expedition was sent from Uman to

pillage the coasts of India in the year 636-637 A.D during the Khilafat of Omar"16

پھر 642ء میں مسلمانوں نے سیستان کی طرف لشکر کشی کی۔ اس کے فوراً بعد اسلامی لشکر حکم تغلبی کی قیادت میں مکران کی طرف بڑھا۔ اس لڑائی میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور مکران پران کا قبضہ ہو گیا۔

مسلمانوں کی فتوحات کے حوالے سے یحییٰ امجد نے لکھا ہے: ''حضرت علیؓ (عہدِ خلافت 655ء- 661ء) نے 658ء میں شاغرِ بن داعو کی قیادت میں ایک لشکر ہند بھیجا۔ انھوں نے کوہِ قیقانان (قلات) تک کا علاقہ فتح کر لیا''۔ 17 وادیِ سندھ کی فتح کا آغاز دراصل اُس وقت سے شروع ہوتا ہے جب عرب سلطنت کا خلیفہ عبدالملک بن مروان (بنوامیہ) حاکم بنا اور اُس نے حجاج بن یوسف ثقفی کو 694ء (75ھ) میں مشرقی ممالک کا حاکم اعلیٰ مقرر کیا مشرقی ممالک سے مراد ایران، افغانستان اور وادی سندھ کے علاقے تھے۔ حجاج بن یوسف کا پایۂ حکومت بصرہ (عراق) میں تھا۔ فتحِ سندھ کے بارے میں یحییٰ امجد نے لکھا ہے:

> 10 رمضان المبارک 93ھ بروز جمعرات بمطابق 21 جون 712ء کو جنگ کا دسواں دن تھا۔ یہی وہ دن تھا جب اروڑ کے قلعے کے باہر دھاوا جھیل (دھاوا ڈھنڈ) کے کنارے کچی جک کے میدان میں وادیِ سندھ کی تقدیر کا ہمیشہ کے لیے فیصلہ ہو گیا اور وادیِ سندھ مسلمانوں کی سلطنت کا حصہ بن گیا اور راجہ داہر حاکمِ سندھ کو شکست ہوئی۔ 18

اس کے بعد اسلامی لشکر نے شمالی سندھ کی طرف پیش قدمی کی اور قلعہ سکہ (نزد ملتان) میں بھی زبردست جنگ ہوئی۔ یہاں کا حاکم بجھرا تھا۔ سترہ دن کی خونریز جنگ کے بعد وہ ملتان فرار ہو گیا۔ قلعہ سکہ کی فتح کے بعد اسلامی لشکر محمد بن قاسم کی قیادت میں ملتان پر حملہ آور ہوا۔ اُس وقت ملتان کا حاکم کورسیہ بن چندر تھا جو رائے داہر کا چچازاد بھائی تھا۔ اسلامی فوجوں نے اُس کو شکست دے کر ملتان کو فتح کر لیا۔

سندھ و ملتان پر محمد بن قاسم کے بعد بنوامیہ کی حکومت کم و بیش چالیس برس تک قائم رہی۔ یحییٰ امجد نے لکھا ہے:

> بنوامیہ کے گورنروں نے سندھ میں تقریباً چالیس سال حکومت کی۔ اس میں صرف خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیز کا زمانہ ایسا ہے کہ اُس میں یہاں تبلیغِ اسلام کی منظّم کوششیں کیں اور اسلام بے حد سرعت سے پھیلا۔ باقی سارا عرصہ جنگ و جدل میں گزرا۔ 19

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے زمانے کے علاوہ یہاں وادیِ سندھ میں مسلمانوں نے اسلام کی اشاعت و ترویج پر خصوصی توجہ نہیں دی۔ یکے بعد دیگرے کئی گورنروں کی تبدیلی کے باعث یہاں کی حکومت پر مرکزی گرفت مسلسل کمزور ہوتی گئی اور اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہباریوں نے یہاں اپنی حکومت قائم کی۔ یحییٰ امجد نے ہباری حکومت کے متعلق لکھا ہے:

> عمر بن عبدالعزیز ہباری نے گورنر ہارون بن ابی خالد کے قتل کے بعد وادیِ سندھ کے پایۂ تخت منصورہ (برہمن آباد) پر قبضہ کر لیا اور اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔۔۔ عمر بن عبدالعزیز ہباری نے تقریباً 855ئسے لے کر 884ئتک 29 سال حکومت کی۔۔۔ عمر بن عبدالعزیز ہباری کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عبداللہ بن عمر ہباری فرمانروائے سندھ بنا اُس نے تیس سال حکومت کی اور اس دوران کوئی بغاوت نہیں ہوئی۔۔۔ عبداللہ بن عمر ہباری نے 884ئسے لے

کر 915 تک حکومت کی۔عبداللہ کی وفات کے بعد 915ء میں اُس کا بیٹا عمر بن عبداللہ ہباری سلطنت سندھ کا حکمران بنا۔ یہ ایک طرح کی خاندانی بادشاہت تھی کیونکہ خلیفہ سے ان کا برائے نام تعلق تھا۔ 20

ہباریوں نے سندھ کی زراعت کے انتظام پر کافی توجہ دی۔اس دور میں تجارت اور خارجہ تجارت بالخصوص برآمدات کو بہت فروغ ملا۔منصورہ میں بیک وقت دوزبانیں بولی جاتی تھیں۔عوام سندھی بولتے تھے اور حکمران طبقات عربی لیکن عوام وخواص دونوں ہی بیک وقت عربی اور سندھی بول سکتے تھے۔

ہباریوں نے خلیفہ اور اس کے ساتھ برسرِ اقتدار انتظامیہ کی مخالفت کرتے ہوئے اسلامی حزب اختلاف کے تمام عناصر کو سندھ میں آباد ہونے کی کھلی چھٹی دی۔ چنانچہ اس دور میں خلافتِ عباسیہ کے مخالفین مسلسل سندھ آتے رہے اور اپنے موقف کی تبلیغ کرتے رہے۔ ہباری دور میں ملتان اسماعیلی فکر کا مرکز بن گیا۔ یحییٰ امجد کے مطابق:

> عبداللہ بن عمر ہباری کے زمانے میں امام عبداللہ المہدی (فاطمی خلیفہ اول 909 تا 934ء) نے اپنا ایک مبلغ وادیٔ سندھ بھیجا جس نے اسماعیلی فکر وفلسفہ اور دینی عقائد کی تبلیغ کی۔۔۔اس کے بعد مسلسل مبلغین آتے رہے اور اس دور میں وادیٔ سندھ میں اسماعیلی نقطۂ نظر خوب پھیلا۔ بالخصوص ملتان اور دوسرے سرائیکی علاقوں میں ان میں بھی خاص کر ملتان اسماعیلی فکر وفلسفہ کا مرکز بن گیا۔ 21

اسماعیلیوں کا سب سے زیادہ زور ملتان میں تھا۔ یہاں کی آبادی کی اکثریت بھی اسماعیلی شیعہ تھی اور حکومت بھی۔ یہاں کی مساجد میں فاطمی خلیفہ کا نام لیا جاتا تھا۔ یحییٰ امجد نے لکھا ہے:

> ملتان میں اسماعیلیوں کی حکومت 977ء 985ء کے درمیان قائم ہوئی۔ بعض عرب سیاحوں نے ملتان میں قرامطہ اور ملاحدہ یا باطنیہ فرقوں کی حکومت کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو غلط ہے دراصل یہ اسماعیلی شیعہ تھے۔ ان تینوں میں بہت ہی سرسری اور معمولی مشابہت کو دیکھ کر بعض عرب سفرنگاروں کو مغالطہ ہوا۔ 22

ملتان میں اسماعیلی حکومت کے قیام کے حوالے سے اعجاز الحق قدوسی نے لکھا ہے: ''ملتان کا پہلا معروف اسماعیلی حاکم جلم بن شیبان تھا۔ جس نے 373ھ (982ء) میں ملتان پر قبضہ کیا اور فاطمی خلیفہ کے نام کا سکہ جاری کیا''۔ 23 بنوامیہ دور اور پھر فاطمی دورِ حکومت میں عرب اور سندھ کے علمی اور لسانی رابطے مسلسل جاری رہے۔عرب وسندھ تعلقات کے حوالے سے یحییٰ امجد نے لکھا ہے:

> ہشام (عباسی گورنر سندھ) کے دور میں سندھی علماء کا ایک وفد خلیفہ منصور کے دربار میں گیا اُن میں سے ایک پنڈت تھا جو سنسکرت کا بہت بڑا عالم تھا۔ اُس نے سندھانت (نجوم) کا ایک نسخہ خلیفہ کو پیش کیا جسے خلیفہ کے حکم پر مشہور ریاضی دان ابراہیم فزاری نے عربی میں 'السند ہند' کے نام سے ترجمہ کیا۔ یہ 771ء کا واقعہ ہے۔ عربوں نے صفر سے نو تک ہندسوں کو لکھنے کا طریقہ سندھیوں سے سیکھا۔ یہ ہندسے ٹیکسلا یونیورسٹی میں تخلیق کیے گئے تھے اور عرب انہیں ''ارقامِ ہندیہ'' کہتے تھے۔ 24

سندھ وملتان کے روابط عرب اور ایران کے ساتھ صدیوں پر محیط ہیں۔اس تاریخی پس منظر پر یحییٰ امجد نے یوں روشنی ڈالی ہے:

> سندھ باد جہازی کی کہانیاں جو دراصل سندھی کہانیاں تھیں اور ساسانیوں نے یہاں سے لے کر پہلو

ی میں ترجمہ کی تھیں اب پہلوی سے عربی میں ترجمہ کی گئیں۔ عربی ادب میں کلیہ ودمنہ، کے نام سے جو مشہور کتاب ہے وہ سنسکرت کی کتاب پنچ تنتر (پانچ دھاگے مراد پانچ کتابیں) کا ترجمہ ہے جو اغلباً چوتھی صدی عیسوی میں لکھی گئی تھی۔ 25

عربوں کے سندھ وملتان سے تعلقات کے سلسلے میں ایشوری پرشاد نے لکھا ہے۔

" The court at Baghdad extended its patronage to Indian scholarship and during the Khilafat of Mansur(753-774 A.D), Arab scholars went from India to Baghdad, who carried with two books, *The Barahma Siddhanta* of Brahmagupta and his *Khanda-Khadydat,* which were translated into Arabic with the help of Indian scholars."26

محمد بن قاسم کی آمد (712ء) کے تین سو سال بعد شمال سے تُرک مسلمان حملہ آور سندھ وملتان میں اپنی جنگی مہمات کا آغاز کرتے ہیں۔ اس وقت ملتان میں اسماعیلی فرقے کی حکومت تھی اور ابوالفتح داؤد ملتان کا حکمران تھا۔ یحییٰ امجد اس حوالے سے رقمطراز ہیں: ''1006ء میں محمود نے ملتان پر حملہ کیا۔۔۔ ملتان کا محاصرہ سات دن جاری رہا۔ آٹھویں دن ابوالفتح نے ہر سال دس ہزار مُہریں دینے کا وعدہ کرکے اطاعت قبول کی اور صلح کرلی۔ محمود نے اُسے ملتان کا حاکم رہنے دیا''۔ 27

مہانے جو دریائے سندھ کے کنارے اور پنجند میں آباد تھے۔ انھوں نے محمود غزنوی کے خلاف بغاوتیں شروع کردی تو 1027ء میں سلطان محمود نے ان (مہانوں) کو تباہ و برباد کرنے کے لیے خصوصی حملہ سندھ پر ملتان کے رستے سے کیا۔ سندھ کے یہ جاٹ کشتیوں میں رہنے والے مہانے تھے۔ یہ مہانے آج بھی دریائے سندھ کے کنارے آباد ہیں۔ کشتی رانی اور ٹوکرے بنانے کا کام کرتے ہیں۔

محمود غزنوی کے دو سو سال بعد شہاب الدین غوری نے اپنی فتوحات کا سلسلہ شروع کیا۔ 1176ء میں اس نے ملتان اور اوچ پر قبضہ کیا اور یہاں سے ہوتا ہوا گجرات کے دارالحکومت انہل واڑہ (پٹن) پر حملہ آور ہوا۔ جنوبی پنجاب اور دلی کے تاریخی وانتظامی روابط کا آغاز شہاب الدین غوری سے ہوتا ہے۔ یحییٰ امجد نے لکھا ہے:

سلطان محمد غوری (شہاب الدین غوری) نے وادی سندھ پر پہلا حملہ (1176ء) میں کیا۔۔۔ پرانے ماخذ میں ہے کہ ریاست ملتان میں قرامطیوں کی حکومت تھی دراصل یہ اسماعیلی شیعہ تھے جو سلطان محمود غزنوی کی وفات کے بعد دوبارہ برسرِ اقتدار آ گئے تھے۔ اوچ پر ایک بھٹی راجپوت ہندو راجہ حکومت کرتا تھا۔ سندھ پر سومرا خاندان کی حکومت تھی۔ محمد غوری کی اصل کامیابی یہ تھی کہ اُس نے صرف وادیِ سندھ نہیں بلکہ موجودہ بھارت کے مرکزی علاقوں تک کو فتح کرکے دہلی میں حکومت کی۔ یوں وادی سندھ تخت دہلی کے ماتحت آ گئی۔ 28

غزنی میں تخت نشین ہونے کے وقت 1171ء سے لے کر وفات 1206ء تک سلطان محمد غوری نے کل 35 سال حکومت کی۔ غوری کی صرف ایک بیٹی تھی اور وہ ساری عمر بے اولاد رہی۔ لہٰذا اُس (غوری) کی کوئی نسل نہیں چلی البتہ اُسے ترک غلام خریدنے اور انہیں

بیٹوں کی طرح پالنے کا شوق تھا۔ اُس کے عزیز ترین زرخرید غلاموں میں سے قطب الدین ایبک، تاج الدین یلدوز اور ناصر الدین قباچہ نے ہمارے دیس کی سیاست میں نمایاں کردار ادا کیا۔ قطب الدین ایبک نے شہاب الدین غوری کی وفات کے بعد 1206ء میں عنانِ حکومت سنبھال لی اور اس طرح ہندوستان پر خاندانِ غلاماں کی حکومت کا آغاز ہوا اور دہلی کو باضابطہ طور پر دارالسلطنت بنا دیا گیا۔ قطب الدین ایبک کی اچانک موت (1210ء) کے فوراً بعد امرائے لاہور نے اُس کے بیٹے آرام بخش کو سلطان مقرر کر دیا اور اُسے آرام شاہ کا خطاب دیا۔ آرام بخش نے 1210 سے 1211ء تک تقریباً ایک سال حکومت کی۔ امرائے دہلی نے اس فیصلے کی مخالفت کی اور انہوں نے التتمش (ال تت مش) کو جو اُس وقت بدایوں کا گورنر تھا کو بلا کر دہلی کے تخت پر سلطان مقرر کر دیا۔ التمش نے لاہور پر حملہ کیا۔ لاہور کے امرا کے ایک حصے نے بھی اُس کی مدد کی اور آرام شاہ گرفتار ہو گیا۔ التمش نے اُس کا سر قلم کر دیا۔

قطب الدین ایبک کے بعد دوسرے ترک غلاموں نے بھی وادی سندھ پر حکومت کی۔ جن میں تاج الدین یلدوز، ایبک کا سسر، ناصر الدین قباچہ اور التمش جو ایبک کے داماد تھے۔ لاہور پر تاج الدین یلدوز نے قبضہ کیا اور ناصر الدین قباچہ جو اُوچ کا ملک (گورنر) تھا۔ اُس نے وہاں اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ قباچہ کی حکومت تمام سرائیکی علاقے اور سندھ پر محیط تھی جب کہ اُس کا پایہ تخت اوچ تھا۔ ناصر الدین قباچہ کا عہدِ حکومت 607ھ/1210ء سے لے کر 625ھ/1228ء تک ہے۔

تمام تاریخی تذکرے اس امر پر متفق ہیں کہ ناصر الدین قباچہ بہترین حکمران تھا۔ اس کا عہد حکومت مثالی تھا اور اس کے زمانے میں اوچ علم و فضل کا گہوارہ اور شریعت و طریقت کا مرکز بن گیا۔ قباچہ کی دور اندیشی اور دانائی کمال تک پہنچی ہوئی تھی۔ قباچہ کی سیاسی حکمت عملی کے بارے میں یحییٰ امجد نے لکھا ہے: جب منگولوں نے غزنی غور اور خراسان پر حملے شروع کیے تو اُن علاقوں کے اہلِ علم و ہنر قباچہ کے پاس اوچ آنا شروع ہو گئے۔ قباچہ نے ان سب کی پذیرائی کی اور انعامات سے نوازا۔ یوں اوچ ایک بین الاقوامی علمی مرکز بن گیا۔[29]

ناصر الدین قباچہ جب اوچ و ملتان کا حاکم تھا تو جلال الدین خوارزم شاہ نے 1224ء میں اوچ پر حملہ کیا اور اوچ کے قلعے کو فتح کر لیا، اسی دوران میں قباچہ بھاگ کر ملتان میں قلعہ بند ہو گیا۔ جلال الدین نے شہر اُوچ کو جو علم و ادب کا مرکز تھا کو جلا کر خاک کر دیا اور قیمتی مال و اسباب لوٹ لیا۔ لیکن خورازم شاہ اوچ پر قبضہ برقرار نہ رکھ سکا اور اوچ دوبارہ قباچہ کے قبضہ میں آ گیا۔ قباچہ ہی کے دور میں مولانا منہاج سراج اوچ آئے اور مدرسہ فیروزیہ کے مہتمم بنے۔ یحییٰ امجد کے مطابق:

> مولانا منہاج سراج اپنے بارے میں لکھتے ہیں کہ 1226ء میں وہ غزنی ہوتے ہوئے ملتان پہنچے۔ ملتان سے بذریعہ کشتی وہ اوچ چلے گئے۔ 14 مئی 1227ء کو اوچ پہنچے اور نومبر 1227ء کو انہیں مدرسہ فیروزیہ کا مدرس اور علاؤالدین بہرام شاہ بن قباچہ کے لشکر کا قاضی مقرر کیا گیا۔[30]

فروری 1228ء کو التمش نے اوچ پر حملہ کیا۔ سلطان ناصر الدین قباچہ شکست کھا کر کشتیوں میں سوار ہو کر بھکر چلا گیا۔ شمسی لشکر نے 27 دن قلعہ اوچ کا محاصرہ جاری رکھا۔ 14 مئی 1228ء کو قلعہ اوچ فتح ہو گیا۔ 26 مئی 1228ء کو قباچہ کی کشتی دریا میں ڈبو دی گئی۔ اس سلسلے میں ایس۔ ایم اکرام نے لکھا ہے۔

> "on 9 February 1228, Itutmish arrived at Uch, the capital of Qabacha, and opened the seige. Uch surrendered on 4

May, and a few days later Qabacha, who had moved to island fortress of Bhakkar (situated between modern Sukkar and Rohri), found a waterly grave in the Indus."31

قباچہ نے کل 22 سال حکومت کی اس کا دورِ حکومت جنوبی پنجاب کی تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔قباچہ کی وفات کے بعد ملتان اور اوچ التمش کے زیرِ نگیں آ گئے۔التمش کے زمانے میں بھی صوفیاء کی آمد کا سلسلہ جاری رہا۔یحیٰی امجد نے لکھا ہے: ''التمش کے زمانے میں مشہو رصوفی خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کرغیزستان کے شہر اوش سے ہجرت کر کے دہلی آئے''۔ 32۔التمش نے 1236ء میں وفات پائی۔اس کے بعد اس کا بیٹا رکن الدین فیروز شاہ اور بعد ازاں التمش کی بیٹی سلطان رضیہ تختِ دہلی پر حکمران بنی۔التمش سے لے کر رضیہ سلطانہ کے وقت تک لاہور، ملتان، اوچ اور سندھ کے مقامی حاکم مسلسل تختِ دہلی سے آزاد ہونے کی کوشش کرتے رہے۔اسی عہد میں وسطی ایشیاء کے منگو لوں نے وادیٔ سندھ پر حملے شروع کر دیے چونکہ ملتان اور اوچ معاشی طور پر مضبوط علاقے تھے۔غیر ملکی حملہ آور سب سے پہلے معاشی اور دفا عی نقطۂ نظر سے ملتان پر پہلے حملہ آور ہوتے۔1245ء میں مغلوں نے ملتان اور اوچ پر حملہ کیا لیکن ملک الغ خان (بلبن) کی کامیاب حکمت عملی سے مغلوں کو پسپا ہونا پڑا۔یہ حملہ اگرچہ ناکام ہوا لیکن برصغیر کی حکومت اور تختِ دہلی پر قبضہ کے سلسلے میں مغلوں کا یہ پہلا قدم تھا۔

سلطان غیاث الدین بلبن 1266ء میں بادشاہ بنا تو اُس نے اپنے بیٹے شہزادہ محمد کو ملتان کا گورنر بنا دیا۔ایس۔ایم اکرام نے اس سلسلے میں لکھا ہے۔

"The command of this strategic area was entrusted by Balban at first to Sher Khan Suqar, his most distinguished general, and on his death to his able son, Prince Muhammad Khan, entitled Qa'an Malik, who was not only brave soldier, but also a patron of literature and who maintained a distinguished court at Multan."33

جنوبی پنجاب دہلی اور ایران کے تاریخی سیاسی اور تہذیبی روابط کے حوالے سے ڈاکٹر مہر عبدالحق نے لکھا ہے: ''1270ء میں غیاث الدین بلبن کا بیٹا سلطان محمد ملتان کا حاکم بنا۔اس نے دو دفعہ شیخ سعدی شیرازی کو اپنے دربار میں طلب کیا لیکن تقضائے عمر کی وجہ سے شیخ نے انکار کیا اور گلستان اور بوستان کے نسخے اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھجوائے''۔34۔اسی دور میں امیر خسرو شہزادہ محمد کے ساتھ ملتان آئے اور تقریباً پانچ برس یہاں قیام کیا۔ان کے ساتھ حسن سنجری بھی رہے ان دونوں کی شہزادہ محمد کے دربار میں بڑی قدر و منزلت تھی۔

شہزادہ محمد کو خان بزرگ بھی کہا جاتا تھا۔اُن کی علم پروری کے حوالے سے یحیٰی امجد لکھتے ہیں۔''خان بزرگ (شہزادہ محمد) اکثر شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی اور شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہوتے اُن کی صحبت میں کافی وقت گزارتے''۔ 35۔چنگیز خان کے بعد مغل برابر ہندوستان پر حملے کرتے رہتے تھے اور ان حملوں کی روک تھام کے لیے ملتان میں ہمیشہ کوئی قابل حاکم رکھا جاتا تھا۔جس کے پاس ایک بڑا لشکر ہمیشہ رہتا تھا۔اس کے علاوہ چونکہ یہ شہر ہندوستان کی سرحد سے زیادہ دور نہ تھا۔اس لیے باہر کے ملکوں یعنی ایران اور ترکستان وغیرہ سے جو تجارتی تعلقات ہندوستان کے تھے ان میں اسے کافی اہمیت حاصل تھی ڈاکٹر وحید مرزا نے لکھا ہے:

روپے پیسے کی کان ہونے کے ساتھ ہی یہ شہر علم وفضل کا بڑا مرکز بن گیا تھا اور خصوصاً شہزادہ محمد کی حکومت کے زمانے میں تو ملتان اس معاملے میں دہلی سے شاید ہی کچھ پیچھے ہو۔ اس لیے کہ اس شہزادے کی سخاوت اور قدر دانی کا شہرہ سن کر عالم، ادیب اور شاعر دور دور سے یہاں جمع ہو گئے تھے۔ مذہبی حیثیت سے بھی ملتان دہلی سے رقابت کا دعویٰ رکھتا تھا۔ کیونکہ یہاں عرصے سے ولی اور بزرگ ہوتے چلے آئے تھے۔ 36

شہزادہ محمد (خان شہید) کی وفات کے بعد ملک فیروز خلجی کو گورنر ملتان بنایا گیا۔ اُس نے اپنی گورنری کے دوران مغلوں کا بہادری سے مقابلہ کیا۔ بلبن نے اُس کی بہادری اور اہلیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اُسے شائستہ خان کا لقب دیا۔ بلبن کی زندگی میں اس کا چہیتا بیٹا شہزادہ محمد منگولوں کے ہاتھوں مارا گیا تو بلبن نے اپنے پوتے کیقباد کو اپنا نائب بنایا لیکن بلبن کے بعد وہ سلطنت نہ سنبھال پایا۔ چنانچہ 1290ء (689ھ) میں ملک فیروز خلجی شائستہ خان نے سلطان جلال الدین خلجی کے نام سے سلطان ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی خلجی خاندان تختِ دہلی پر قابض ہو گیا۔ سلطان جلال الدین خلجی خود بھی فارسی کا بڑا اچھا شاعر تھا اور امیر خسرو کی غزلوں کا شیفتہ تھا اور اُن کو بہت زیادہ انعام واکرام دیتا تھا۔

خلجی عہد میں ملتان اور اوچ کے روابط دلی سے مضبوط ہوئے۔ جلال الدین خلجی نے اپنے بیٹے ارکلی خان کو ملتان کا گورنر بنا دیا۔ جلال الدین خلجی کو قتل کرنے کے بعد 1296ء میں (اُس کا داماد بھتیجا) علاؤالدین محمد شاہ خلجی بادشاہ بنا۔ اُس نے سلطان کے بیٹے ارکلی خان کو ملتان کی گورنری سے معزول کر دیا اور اُس کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا کر اندھا کر دیا اور غازی ملک کو ملتان کا گورنر مقرر کیا۔

علاؤالدین خلجی کو مورخین سکندر ثانی لکھتے ہیں کیونکہ اُس نے ملک میں بے شمار معاشی، سماجی، انتظامی اور فوجی اصلاحات متعارف کرائیں۔ علاؤالدین کے زمانے میں سلطنت کے تجارتی معاملات پر ملتانی تاجروں کا بہت زیادہ اثر ورسوخ تھا اور ''ملتانی'' کا لفظ سرمایہ دار اور بنکار کے معنوں میں استعمال ہوتا تھا۔ علاؤالدین نے ملتانیوں کو بہت سے قرضے دیے تاکہ سرمایہ کاری کر کے منڈی کی قیمتوں کو اعتدال پر رکھ سکیں۔

علاؤالدین خلجی نے سب سے پہلے صوبہ گجرات کو فتح کیا اور بعد ازاں دیوگر کے راجہ رام چندر کو شکست دے کر دیوگر پر قبضہ کر لیا اور دکن کی مہمات کا بھی آغاز کر دیا۔ غازی الملک جس نے مغلوں کے خلاف 28 جنگیں لڑیں اور ملتان کے لوگوں نے اُسے غازی الملک کا خطاب دیا تھا بالآخر 1320ء میں سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کے نام سے بادشاہ بنا اس نے تغلق خاندان کے اقتدار کی بنیا درکھی جو 92 سال تک تختِ دہلی پر حکمران رہا۔ غیاث الدین تغلق کے بعد اُس کا بیٹا ملک فخر الدین جونا سلطان محمد تغلق شاہ کے نام سے 1325ء میں تخت نشین ہوا۔ اس بارے میں یحییٰ امجد نے لکھا ہے:

> ملک فخر الدین جونا جس کا خطاب الغ خان تھا۔ سلطان غیاث الدین تغلق شاہ کا بڑا بیٹا تھا۔ سلطان غیاث الدین نے مغلوں کے خلاف جو 28 جنگیں لڑی تھیں اس سلسلے میں وہ کافی عرصہ ملتان میں مقیم رہا تھا۔ چنانچہ فخر الدین جونا (سلطان محمد تغلق) ملتان میں پیدا ہوا تھا۔ 37

ملتان اس اعتبار سے یقیناً تاریخی اہمیت رکھتا ہے کہ اس شہر میں برصغیر کے متعدد بادشاہوں نے جنم لیا ہے۔ سید اولاد علی گیلانی نے لکھا ہے:

> خاص شہر ملتان کو کم از کم تین مشہور بادشاہوں کے جائے پیدائش ہونے کا فخر ہے۔ ایک محمد تغلق شاہ جن کے نام پر ایک محلّہ کوٹلہ تولے خان (تغلق خان) کے نام سے آج تک موسوم ہے دوسرے بہلول لودھی جو محلّہ حسین آگاہی

کے مکان قاضیاں والا میں پیدا ہوئے اور تیسرے احمد شاہ ابدالی۔ 38

سلطان محمد تغلق نے ریاستی ڈھانچے میں بنیادی تبدیلیاں متعارف کرائیں۔ وہ تصوف وروحانیت کے بجائے فلسفہ وعقل کا زیادہ پیروکار تھا اور سلطنت کو سیکولر بنیادوں پر استوار کرنا چاہتا تھا۔ محمد تغلق نے جنوبی ہند کے مفتوحہ علاقوں میں اپنا قبضہ مستحکم کرنے کے لیے 1327ء میں دیو گیر کو اپنا دارالحکومت بنایا اور اُس کا نام دولت آباد رکھا۔ اس کے ساتھ ہی دہلی میں رہائش پذیر تمام طبقات کو دولت آباد منتقل ہونے کا حکم جاری کیا۔ جن میں علماء ومشائخ بھی تھے۔

محمد تغلق کے دور میں ملتان اور اوچ دو الگ الگ صوبے تھے۔ چونکہ ملتان اور اوچ کے گورنر مرکزی حکومت میں اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں اور ملتان کے حاکم ہی بعد میں سلطان بنے ہیں۔ اس لیے فوج میں بھی ملتانیوں کی بڑی تعداد موجود تھی بلکہ وہ اہم فوجی عہدوں پر فائز تھے۔ ڈاکٹر یحییٰ احمد نے لکھا ہے: ''محمد تغلق نے جب دہلی سے دارالحکومت دولت آباد دکن منتقل کیا تو اس کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں سرائیکی علاقے کے سپاہی گئے''۔ 39 سلطان محمد تغلق نے سماجی وسیاسی سطح پر بنیادی تبدیلیاں کی تھیں۔ اس لیے اس نے بہت سارے لوگ جو نچلے طبقات سے تعلق رکھتے تھے اُن کو ریاستی ڈھانچے میں اہم عہدوں پر تعینات کیا۔ سلطان محمد تغلق 20 مارچ 1351ء میں فوت ہوا اور ملک فیروز نائب (باربک) علماء اور مشائخ کی مشاورت سے سلطان بنا۔ ملک فیروز اس وقت جنگی مہم کے سلسلے میں سیوستان میں موجود تھا۔ یحییٰ امجد نے لکھا ہے: ''سلاطینِ دہلی کی روایت تھی کہ نئے سلطان کا انتخاب فوجی جرنیل اور دیگر اُمراء کرتے تھے اور پھر علماء ومشائخ اس کی تائید کر دیتے تھے۔ سلطان کا انتخاب اس روایت کے برعکس علماء اور صوفیا نے کیا''۔ 40

سلطان فیروز تغلق جب سیوستان سے روانہ ہوا تو پایۂ تخت دہلی تک رستے میں جتنے بھی علماء ومشائخ مختلف شہروں اور قصبوں میں مقیم تھے بڑے اہتمام کے ساتھ ان سب پر انعامات اور نوازشات کی بارش کرتا گیا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق 20 ستمبر 1388 کو 36 سال حکومت کرنے کے بعد فوت ہو گیا۔

فیروز شاہ تغلق کے بعد اُس کے جانشین نااہل ثابت ہوئے، یکے بعد دیگرے چار بادشاہ تبدیل ہوئے۔ مختلف صوبے داروں نے اپنے اپنے صوبوں میں خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ تغلق کے آخری عہد میں خضر خان ملتان کا گورنر تھا۔ خضر خان حاکم ملتان، ناصرالدین محمود تغلق کی وفات 1412ء کے بعد 1414ء میں تختِ دہلی کا مالک بن گیا خضر خان خاندانِ سادات کا بانی تھا۔

امیر تیمور کے حملے نے ملتان کے ایک سابق گورنر سید خضر کے سلطان ہند بننے کا راستہ ہموار کر دیا۔ اُسی دور میں ظفر خان حاکم گجرات نے بھی اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا اور سلطان مظفر شاہ کے لقب سے والی گجرات بنا۔ سلطان مظفر شاہ کی اوچ کے معروف صوفی بزرگ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے عقیدت بھی جنوبی پنجاب کے دلی و گجرات سے روابط کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری نے لکھا ہے:

> دسمبر 1398ء میں امیر تیمور نے دلی پر زبردست حملہ کیا۔۔۔ اس حملے کا ایک ردِعمل یہ بھی ہوا کہ مرکز کو کمزور دیکھ کر صوبہ دار اپنی خود مختاری کا خواب دیکھنے لگے۔ گجرات کے صوبہ دار ظفر خان نے بھی ایک ایسا ہی خواب دیکھا اور 1407ء میں مظفر شاہ کا لقب اختیار کر کے گجرات کا خود مختار حکمران بن گیا۔ سلطان مظفر شاہ ''مراۃ سکندری'' کے مطابق حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے بہت عقیدت رکھتا تھا مظفر شاہ کو سلطنتِ گجرات ملنے کی بشارت

حضرت مخدوم سے ملی تھی۔اس لیے سلطان مظفر اوراس کی نسل کے سلاطین صوفیا کا بے حد احترام کرتے رہے۔ 41

سلطان خضر خان نے ملک عبدالرحیم کو علاء الملک کا خطاب دے کر ملتان کا گورنر بنایا۔خضر خان نے کل سات سال تختِ دہلی پر حکومت کی اور وہ 20 مئی 1421ء کو بیماری سے وفات پا گیا۔خضر خان نے اپنے بیٹے مبارک خان کو ولی عہد مقرر کیا جو خضر خان کی وفات 1421ء میں سلطان مبارک شاہ کے نام سے بادشاہ بنا۔مغلوں کی لوٹ مار اُس زمانے میں بہت زیادہ تھی۔سلطان مبارک شاہ نے مغلوں کی سرکوبی کے لیے ملک محمود حسن کو ملتان اور بکھر (سندھ) کا حاکم مقرر کیا۔

1434ء میں سلطان مبارک شاہ کو ایک سازش کے تحت قتل کر دیا گیا۔سلطان مبارک شاہ کے بعد اس کا بیٹا محمد شاہ تخت پر بیٹھا۔ اس کے بعد علاؤالدین محمد شاہ حکمران بنا۔خاندان سادات کا آخری حکمران علاؤالدین بن محمد شاہ 1478ء میں فوت ہوا،اس کے بعد خاندان سادات کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

دہلی پر سلطان محمد شاہ بن سلطان مبارک شاہ بن خضر خان کی حکومت (1434 تا1443) کے زمانے ہی میں ملتان،اوچ اور ان کے گردونواح کے علاقے تختِ دہلی سے عملاً آزاد ہو گئے تھے اور یہاں کا کوئی مستقل حکمران نہ رہا تھا۔اس کے ساتھ ساتھ غزنی اور کابل کے حکمرانوں کے حملوں نے مزید انتشار پیدا کر دیا تھا۔ان حالات میں ملتان اور گردونواح کے لوگوں نے اپنا ایک حاکم چن لیا۔جنوبی پنجاب کے لوگوں کا یہ جمہوری طرزِ عمل تاریخی طور پر بہت اہمیت کا حامل ہے کہ انہوں نے باہمی مشاورت سے شیخ یوسف چشتی (1443ءتا1445ء) جو بہاؤالدین زکریا ملتانی کے خاندان سے تھے کو اپنا حاکم منتخب کر لیا۔اس ضمن میں یحییٰ امجد نے لکھا ہے:''ملتان کے تمام باشندوں نے،کیا خواص کیا عوام،سب نے مل کر شیخ یوسف چشتی کو اپنا سلطان منتخب کر لیا۔۔۔ملتان،اوچ اور بعض قصبات میں اُن کے نام کا خطبہ پڑھوا دیا اور وہ بھی حکومت کے کام میں مشغول ہو گئے''۔ 42

ایس۔ایم اکرام نے لکھا ہے

"The people of Multan chose as their ruler Shaikh Yousaf Quarishi, the guardian of the shrine of Hadrat Baha-ud-Din Zakriya.The Shaikh however, was a simple man of piety and devotion."43

شیخ یوسف چشتی نے اپنے علاقے کے تمام زمینداروں کو حسنِ سلوک سے اپنا گرویدہ بنا لیا۔اُس نے اپنی فوج میں بھی اضافہ کیا اور ہر طرف امن وامان قائم ہو گیا۔اُس نے کل دو سال حکومت کی۔رائے سہرہ جو لنگاہ قبیلے سے تعلق رکھتا تھا اور اپنے آپ کو شیخ یوسف چشتی کا عقیدت منداور مرید کہلواتا تھا۔اس نے اظہارِ عقیدت کے طور پر اپنی بیٹی کا نکاح شیخ یوسف سے کر دیا۔ایک رات سازش کے تحت وہ شیخ یو سف کی خواب گاہ تک پہنچ گیا۔یوسف چشتی کو دہلی جلاوطن کر کے ملتان کی حکومت پر قبضہ کر لیا اور سلطان قطب الدین لنگاہ کے نام سے 1445ء میں ملتان کا حکمران بن گیا۔اُس نے سولہ برس تک حکومت کی۔

1461 میں قطب الدین کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا سلطان حسین لنگاہ ملتان کا حاکم بنا۔حسین لنگاہ کے زمانے میں علم وفضل کی ترقی ہوئی اور اہلِ علم کی قدر دانی بھی۔مولوی ابوالحسنات ندوی کے حوالے سے ڈاکٹر روبینہ ترین نے لکھا ہے:''حسین شاہ لنگاہ علوم وفنون کا

بہت بڑا امر بی گذرا ہے۔شاہ لنگاہ نے متعدد مدرسے قائم کیے جن میں ممتاز مشہور اساتذہ وقت مشغول درس وتعلیم رہتے تھے''۔ 44۔ جب وہ بوڑھا ہوا تو اپنے بیٹے کے حق میں دستبردار ہو گیا۔ اُس کی وفات 1498ء میں ہوئی۔لنگاہ خاندان کی حکومت ملتان پر 1524 تک قائم رہی۔ 1524 میں ملتان پر مغلوں کا قبضہ ہو گیا۔

خاندان سادات کے آخری زمانے میں سلطنت دہلی مکمل انتشار کا شکار ہو چکی تھی۔ان حالات میں سرہند کے حاکم ملک بہلول لودھی نے دہلی فتح کرنے کی کوشش شروع کردی اور بالآخر 1451ء میں اُسے کامیابی نصیب ہوئی۔

بہلول لودھی کی وفات 1489ء کے بعد اُس کا بیٹا سکندر لودھی سلطان بنا۔سکندر لودھی ادبی ذوق رکھتا تھا۔فارسی کا شاعر تھا۔اُس کے دور میں علمی وادبی کتابیں لکھی گئیں۔جس میں ''فرہنگ سکندری'' بہت مشہور ہے ''طبِ سکندری'' بھی اُسی کے زمانے کی تصنیف ہے۔

سکندر لودھی کی وفات کے بعد ابراہیم لودھی سلطان بنا۔ابراہیم لودھی کے زمانے میں ظہیرالدین بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا۔بابر نے ابراہیم لودھی کے خلاف پانی پت کے میدان میں 20، اپریل 1526ء میں جنگ لڑی جس میں ابراہیم لودھی مارا گیا اور ہندوستان مغلوں کے زیرِ نگیں ہو گیا۔

اس سلسلے میں وِنسنٹ اے۔سمتھ نے لکھا ہے

" Ultimately the discontent of the Afghan chiefs resulted in an invitation being sent by Daulat Khan Lodhi to Babur, the king or padshah of Kabul. Babur after several indecisive incursions, started on his final invasion in November 1525, and 21 April 1526 inflicted on Sultan Ibrahim a crushing defeat at Panipat, which cast him his throne and life. The battle will be described in connexion with reign of the victor."45

سلاطینِ دہلی کے عہد میں صوبہ ملتان کی اہمیت مسلم تھی۔ڈاکٹر یحییٰ امجد نے ملتان کی اہمیت کے بارے میں لکھا ہے: ''ایک کہاوت ہے جس کا ملتان اسی کا دہلی، یہ کہاوت آدابِ حکمرانی کا قصہ سناتی ہے'' 46 سلاطین دہلی کے دور میں اکثریت سلطانوں کی ایسی ہے جو پہلے ملتان کے گورنر رہے اور بعد میں دہلی کے سلطان بنے۔ظہیرالدین بابر نے پہلا قدم یہ اُٹھایا کہ ملتان جو ایک آزاد اور خود مختار ریاست کے طور پر لنگاہ خاندان کے زیرِ نگیں تھی، اُس کو مغلیہ سلطنت میں شامل کر کے وہاں لنگر خان کو اپنا صوبے دار مقرر کر دیا۔

مغلیہ دور میں ملتان ایک الگ اور منفرد صوبے کی حیثیت سے قائم رہا۔ہمایوں، اکبر اور جہانگیر کے دور میں یہاں تجربہ کار اور قابل لوگوں کو گورنر تعینات کیا جاتا تھا۔شاہ جہان (1627ء تا 1658ء) جب بادشاہ بنا تو قندھار کی مہمات کا آغاز ہوا۔اس دور میں ملتان دفاعی لحاظ سے بہت اہمیت اختیار کر گیا۔شاہ جہان نے پہلے اپنے بیٹے مراد بخش کو ملتان کا گورنر بنایا جو کم وبیش پانچ سال تک گورنر رہا۔اس کے بعد اورنگ زیب عالمگیر کو ملتان کا گورنر بنایا گیا جسے قندھار کی مہمات کی ذمہ داری سونپی گئی۔اورنگ زیب عالمگیر تقریباً چار سال یہاں کا گورنر رہا۔اُس کے بعد وہ دکن کی مہمات میں مصروف ہو گیا۔اورنگ زیب عالمگیر 1658ء میں تختِ دہلی پر بیٹھا۔اُس نے اپنے

دورِحکومت میں اپنے بیٹے شہزادہ معظم کو یہاں کا گورنر بنایا۔ بعدازاں اس نے اپنے پوتے معزالدین کوملتان کا گورنر بنایااوراورنگ زیب عالمگیر کی وفات 1707 کے بعد شہزادہ معظم بہادرشاہ کے لقب سے بادشاہ بنا۔ بعدازاں شہزادہ معزالدین سابق گورنر ملتان، جہاں دارشاہ کے لقب سے 1712 میں ہندوستان کا بادشاہ بنا۔

دورِمحمد شاہ (1718ء تا 1749ء) میں نادرشاہ نے ملتان پر حملہ کیا تو نادرشاہ نے ملتان کی گورنری حیات اللہ خان کو دے دی بعدازاں زاہد خان سدوزئی ملتان کا گورنر بنا۔ نادرشاہ کے حملوں کے بعد احمد شاہ ابدالی کے حملوں کا سلسلہ شروع ہوااحمد شاہ ابدالی کی جائے پیدائش بھی ملتان کی ہے۔ اس سلسلے میں صادق جعفری نے لکھا ہے: ''احمد شاہ ابدالی ملتان میں ہی پیدا ہوا۔ ابدالی روڈ پر سابق کمشنر ہاؤس کے سامنے اس مقام پر آج بھی ایک یادگار موجود ہے''۔ 47 مرکزی حکومت کی کمزوری اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں کے نتیجے میں ملتان دہلی کے ماتحت نہ رہا بلکہ والیِ کابل کی حکومت کے ماتحت ہوگیا۔ اس سلسلے میں 1752ء میں ایک معاہدہ مغل بادشاہ احمد شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے مابین ہوا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر مہر عبدالحق نے لکھا ہے: ''صوبہ ملتان جو دوصدیوں تک مغلیہ سلطنت کا اہم ترین حصہ تھا اب درانی حکومت کی تحویل میں آگیا''۔ 48

احمد شاہ ابدالی ملتان میں مسلسل گورنروں کی تبدیلی کرتا رہا۔ اس کی وفات 1772ء کے وقت ملتان کا گورنر شجاع خان سدوزئی تھا۔ شجاع خان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مظفر خان ملتان کا گورنر بنا۔ اس دور میں سکھوں نے ملتان پر یلغار شروع کردی۔ مظفر خان اور تیمور شاہ بن احمد شاہ ابدالی نے ان کا مقابلہ کیا تیمور شاہ 1793ء میں فوت ہوگیا تو سکھوں کی شورش بہت زیادہ ہوگئی۔ اس دوران میں سکھوں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی قیادت میں 1798ء میں پنجاب میں اپنی حکومت قائم کرلی۔ رنجیت سنگھ کا پایہ تخت لاہور تھا۔

تیمور شاہ کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں میں جو غزنی اور کابل پر حکمران تھے جانشینی کی جنگ چھڑگئی۔ ادھر مظفر خان (گورنر ملتان) نے خودمختار ہونے کا اعلان کردیا۔ سکھ مسلسل ملتان پر حملہ آور ہوتے رہے لیکن اُن کو فتح نصیب نہ ہوئی۔ بالآخر عبدالصمد بادوزئی کی معاونت سے سکھوں نے 1818ء میں زبردست حملہ کیا۔ نواب مظفر خان سدوزئی بڑی بہادری سے لڑا۔ ملتانیوں نے مظفر خان کا بھرپور ساتھ دیا بالآخر مظفر خان مع اپنے چار بیٹوں کے میدانِ جنگ میں مارا گیا اور ملتان پر سکھوں کا قبضہ ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی ملتان کا بحیثیت صوبہ تشخص ختم ہوگیا اور ملتان کو صوبہ پنجاب میں شامل کرلیا گیا۔

ریاست بہاول پور:

موجودہ ریاست بہاول پور، ملتان کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ ماضی میں اوچ اس علاقے کا مرکزی شہر تھا۔ مسعود حسن شہاب کے مطابق: ''ریاست بہاول پور۔۔۔ 1727ء میں قائم ہوئی اور نواب صادق محمد خان اول جو اس کے پہلے امیر بنے۔ یہ علاقہ اُس زمانے میں ملتان کی عملداری میں تھا جس پر عملاً کابل کی سلطنت قابض تھی''۔ 49

ریاست بہاول پور کا علاقہ ازمنہ قدیم سے علم و دانش کا مرکز رہا ہے۔ بدھ مت کے عہد میں یہاں ایک بڑی درسگاہ کے آثار ابھی تک موجود ہیں۔ مسعود حسن شہاب نے اِس سلسلے میں لکھا ہے: ''رحیم یار خان شہر سے پانچ میل مشرق کی جانب تپن منارا کے نام سے ایک منارے کا کچھ حصہ دکھائی دیتا ہے جو ایک بہت بڑی درس گاہ کا وسطی برج تھا۔ یہاں بدھ مت کی تعلیم دی جاتی تھی اور دور دراز سے طالبانِ علم یہاں آتے تھے''۔ 50 تپن منارا علمی وادبی اہمیت کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اہم سیاسی مرکز کی حیثیت بھی رکھتا تھا۔ مثال کے طور پر یہ سندھ

کے آخری سومرا حکمران بہاؤالدین شہمیر کا دارالحکومت بھی تھا۔

ناصرالدین قباچہ کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی اوچ کی سیاسی اہمیت بتدریج کم ہوتی چلی گئی اور نتیجتاً یہ علاقہ سلطنت ملتان کی عملداری میں آ گیا۔ 1727ء میں اس علاقے کی قسمت پھر جاگی اور نواب بہاول خان عباسی اول نے اس علاقے کو ایک ریاست کی شکل دے دی۔ اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ ریاست بہاولپور ماضی کے اوچ کی علمی و سیاسی توسیع ہے۔

ریاست بہاول پور کے عباسی خاندان خلافتِ عباسیہ کے دور میں سندھ آئے پہلے پہل انھوں نے مذہبی قیادت سنبھالی بعد میں اُن کی اولاد زمیندار اور جاگیردار بن گئی۔ مغلوں کے دور میں شہنشاہ اکبر کا بیٹا شہزادہ مراد ملتان آیا تو عباسی خاندان کے ایک بزرگ امیر چنی (اصلی نام امیر غنی خان) کو بالائی سندھ کے علاقے کی جاگیر عطا ہوئی امیر چنی خان کے دو فرزند تھے ایک امیر مہدی خان اور دوسرے امیر داؤد خان۔ والد کی وفات کے بعد امیر مہدی خان والد کے جانشین مقرر ہوئے امیر مہدی خان کا تھوڑے عرصے بعد انتقال ہو گیا اور امیر ابراہیم خان المعروف کلہوڑا جانشین مقرر ہوئے۔ اس کے بعد اُن کی اپنے چچا امیر داؤد خان کے ساتھ کشمکش شروع ہوئی اور عباسی خاندان دو گروہوں میں بٹ گیا۔ امیر کلہوڑا علاقہ سندھ پر قابض ہو گیا اور امیر داؤد خان کی اولاد سندھ سے نقل مکانی کر کے موجودہ بہاول پور کے علاقے میں آباد ہو گئی۔ عباسیوں کی اس شاخ کے سربراہ صادق محمد خان عباسی تھے جو پہلے پہل مخادیم بخاری و گیلانی کی دعوت پر اوچ میں قیام پذیر ہوئے مخدوم کی سفارش پر ان کو موجودہ لیاقت پور کا علاقہ بطور جاگیر گورنر ملتان سے ملا۔ نواب صادق محمد خان عباسی نے اپنی ریاست کو مستحکم کرنے کے لیے دہلی دربار کے ساتھ اپنے تعلقات خوشگوار بنائے اور ساتھ ہی ساتھ والیِ کابل کے ساتھ بھی اُن کے دوستانہ مراسم تھے۔

1745ء میں نواب صادق محمد خان وفات پا گئے۔ اُن کا بیٹا امیر محمد بہاول خان تخت نشین ہوا۔ جنھوں نے موجودہ شہر بہاول پور کی بنیاد رکھی۔ مسعود حسن شہاب لکھتے ہیں: ''امیر صادق محمد خان کے بعد ان کے فرزند امیر محمد بہاول خان تخت نشین ہوئے 1746ء میں انہوں نے شہر بہاولپور کی بنیاد رکھی''۔ [51] اس کے بعد امیر مبارک خان تخت نشین ہوئے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب سکھ حکمران توسیع پسندی کے جنون میں مبتلا تھے وہ مسلسل امیر مبارک خان کو تنگ کرتے رہے۔ امیر مبارک خان کے بعد اُن کے بیٹے نواب بہاول خان ثالث نے سکھوں کی شورش سے بچنے کے لیے 1833ء میں حکومت انگلشیہ (ایسٹ انڈیا کمپنی) سے ایک معاہدہ کر لیا جس کی رو سے حکومت انگلشیہ کا عمل دخل ریاست میں بڑھ گیا لیکن اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ ریاست بہاول پور سکھوں کی شورش سے محفوظ رہی۔

اس معاہدے کے تحت جب 1850ء میں انگریزوں کے خلاف ہندوستان بھر میں تحریک چلی تو نواب بہاول پور نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ 1866ء میں نواب صادق محمد خان رابع ساڑھے چار سال کی عمر میں تخت نشین ہوئے تو انگریزوں نے ایک کونسل آف ریجنسی (Council of Regency) قائم کر دی جو نواب کے سنِ بلوغت تک کام کرتی رہی۔ مسعود حسن شہاب نے لکھا ہے:

> 1866 میں نواب صادق محمد خان رابع تخت نشین ہوئے تو ان کی عمر ساڑھے چار سال تھی۔۔۔ نواب صاحب کے خیر خواہوں نے ان پریشان کن حالات سے نمٹنے کے لیے ایک بار پھر انگریزی حکومت سے رجوع کیا اور باقاعدہ درخواست کی کہ وہ نواب صاحب کے سنِ بلوغت کو پہنچنے تک ریاست کا مکمل نظم ونسق اپنے ہاتھ میں لے چنانچہ اس درخواست کو منظور کرتے ہوئے حکومتِ انگلشیہ نے 1866ء سے 1879 تک ریاست کا انتظام سنبھال لیا۔ [52]

اس دوران مسٹر فورڈ پولیٹیکل ایجنٹ بنا دیے گئے اور اس کے بعد کرنل منچن پولیٹیکل ایجنٹ مقرر ہوئے۔ اس عہد میں آبپاشی کا نظام

بنایا گیا جس کے تحت نہریں نکالیں گئیں، اس سے زرعی ترقی کی بنیاد پڑی۔ اسی دور میں ریلوے کا نظام متعارف ہوا جس سے بہاول پور دوسرے علاقوں سے منسلک ہو گیا اور ایک چھاپہ خانہ (صادق الانوار) کی بنیاد رکھی اور تعلیمی اداروں کا اجراء ہوا۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ریاست بہاول پور کا یہ دور ترقی اور خوشحالی کا دور تھا۔

1903 میں نواب محمد بہاول خان خامس مسند نشین ہوئے۔ اُن کی وفات 1907 میں ہوئی ان کے بعد ان کے کم سن بیٹے نواب صادق محمد خان خامس مسند نشین ہوئے۔ اُن کو اختیارات 1924ء میں تفویض کیے گئے۔ ان کے دورِ حکومت میں ریاست نے بہت ترقی کی۔ ان کے دور میں ستلج ویلی پراجیکٹ شروع ہوا۔ مسعود حسن شہاب نے لکھا ہے: ''ستلج پراجیکٹ یوں تو 1920ء میں شروع ہو گیا تھا لیکن اس کا باقاعدہ اجراء 1933ء میں ہوا جس کے نتیجے میں پنجابی آبادکاروں کی خاصی بڑی تعداد ریاست میں آ کر آباد ہوئی۔[53]

1947ء میں پاکستان بنا تو ریاست بہاول پور کا الحاق پاکستان کے ساتھ ہو گیا۔ نئی مملکت کے معاشی استحکام میں ریاست بہاول پور کے نواب نے گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ 1955ء میں ون یونٹ کے قیام کے ساتھ ہی بہاول پور ریاست ختم ہو گئی اور اس کو ڈویژنل ہیڈ کوارٹر بنا دیا گیا۔

وادیٔ سندھ دنیا کی قدیم تہذیب ہے لیکن 3500 قبل مسیح کی اس تہذیب کی نمائندہ زبان پر ماہرین لسانیات ابھی تک متفق نہیں ہو سکے۔ آریاؤں کی آمد کے بعد یہاں کی زبان کے بارے میں واضح ثبوت ملے ہیں اور ماہرین لسانیات نے اس کی تحقیق و جستجو بھی کی ہے۔

ماہرین لسانیات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ برصغیر کی قدیم ترین کتاب رگ وید ہے جو سنسکرت زبان میں لکھی گئی۔ محققین کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ یہ کتاب ملتان اور اس کے گردونواح میں تصنیف کی گئی۔

ملتان اور گردونواح کا علاقہ علمی، ادبی اور تہذیبی طور پر اتنا اہم ہے کہ ''رگ وید'' اسی علاقے میں تصنیف ہوئی۔ اس سلسلے میں علامہ عتیق فکری رقمطراز ہیں: ''اس (رگ وید) کا تین چوتھائی سے بھی زیادہ حصہ پنجند، علی پور، ملتان اور ساہیوال یعنی ہڑپہ کے علاقے میں تصنیف ہوا''[54]۔ جنوبی پنجاب کی اس عظیم تخلیق کی قدامت کے بارے میں ابنِ حنیف لکھتے ہیں: ''یہ بات بحیثیت مجموعی تقریباً مسلم ہے کہ ''رگ وید'' کا بیشتر حصہ آج سے ساڑھے تین ہزار سے لے کر تین ہزار برس قبل یعنی 1500 ق م تا 1000 ق م کے بین بین مختلف شاعروں نے تخلیق کیا''[55]۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جنوبی پنجاب (ملتان و گردونواح) کی علم وادب کے حوالے سے زرخیزی آج سے ساڑھے تین ہزار سال قبل بھی مسلم تھی۔

ملتان اور گردونواح کا علاقہ جس کو آج ہم جنوبی پنجاب کہتے ہیں۔ تہذیبی، تمدنی اور لسانی طور پر ازمنہ قدیم ہی سے اہمیت کا حامل رہا ہے۔ ہندومت کا قدیم مندر جس کو پر ہلاد مندر کہا جاتا ہے، یہ ایک قدیم علمی مرکز رہا ہے۔ ہندوستان کے دور دراز کے علاقوں سے لوگ یہاں آ کر تعلیم حاصل کیا کرتے تھے یہ علاقہ دریاؤں کے مقام اتصال کے قریب واقع ہے۔ اس لیے یہاں کی زمین کی زرخیزی تجارتی، معاشی، تمدنی اور تہذیبی زندگی پر اثر انداز ہوئی اور غیر ملکی حملہ آوروں کی دلکشی کا باعث بنی۔ ایرانی اور یونانی تہذیبوں کے لوگ یہاں حملے کرتے رہے اور یہاں کی دولت کو اپنے مصرف میں لاتے رہے۔ سکندر مقدونی نے 326 قبل مسیح میں یہاں حملہ کیا تو سب سے زیادہ مزاحمت کا سامنا اُسے ملتان میں کرنا پڑا۔

محمد بن قاسم کی فتح سندھ و ملتان سے پہلے خلفائے راشدین کے زمانے میں عربوں کی فوجی مہمات ایران کے راستے مسلسل وادیٔ

سندھ میں جاری تھیں۔عربی اور فارسی کا لسانی میل جول فتح ایران کے زمانے میں کسی حد تک ہو چکا تھا عربوں اور ایرانیوں کے لیے وادیِ سندھ بھی کوئی اجنبی جگہ نہیں تھی۔ایرانیوں اور عربوں کا آنا جانا اس علاقے میں کافی عرصہ سے جاری تھا۔ملتان اور پنجند کا علاقہ تجارتی مرکز ہونے کے ناتے مسلمانوں کے لیے غیر مانوس نہیں تھا۔تجارتی اور جنگی مہمات کے دوران میں لسانی ارتباط کا ایک سلسلہ ضرور موجود تھا۔فتح سندھ و ملتان کے بعد مسلمانوں نے یہاں مستحکم حکومت بنائی اور حکومتی اہلکار اور فوجی پورے علاقے میں پھیل گئے۔عربی اور فارسی بولنے والوں کا یہاں کے قدیمی باشندوں سے انتظامی اور سماجی ربط وضبط نے لسانی اختلاط کی ایک فضا ضرور پیدا کر دی ہوگی۔سید سلیمان ندوی نے ''نقوش سلیمانی'' میں لکھا ہے:

> مسلمان سب سے پہلے سندھ میں پہنچے ہیں۔اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ جس کو ہم آج ''اُردو'' کہتے ہیں اس کا ہیولیٰ اس وادی سندھ میں تیار ہوا ہوگا۔جس کی حد اس زمانے میں ملتان سے لے کر بھکر اور ٹھٹھہ کے سواحل تک پھیلی ہوئی تھی۔موجودہ اُردو ان ہی بولیوں کی ترقی یافتہ اور اصلاح شدہ شکل ہے۔یعنی جس کو ہم آج اُردو کہتے ہیں، اس کا آغاز ان ہی بولیوں میں عربی اور فارسی کے میل سے ہوا۔ 56

یہ لسانی میل جول عربی، فارسی اور مقامی بولیوں کے اختلاط سے وقوع پذیر ہوا ہوگا اور یہی بنیادی لسانی ربط بعد میں ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں پہنچ کر اُردو کی ابتدائی شکل میں ظہور پذیر ہوا۔

مسلمانوں کی آمد کے وقت سندھ و ملتان کی زبان سندھی اور ملتانی تھی۔اس لیے یہ بات قرین قیاس ہے کہ عربی اور فارسی کا ملاپ سب سے پہلے ان ہی زبانوں سے ہوا ہوگا۔سید سلیمان ندوی نے اس ضمن میں لکھا ہے:

> مسلمانوں کی عربی و فارسی سب سے پہلے ہندوستان کی جس زبان سے مخلوط ہوئی وہ سندھی اور ملتانی ہے۔پھر پنجابی اور بعد ازیں دہلوی۔۔۔سندھی، پنجابی اور ملتانی آپس میں بالکل ملتی جلتی ہیں۔تینوں میں بہت سے الفاظ کا اشتراک ہے۔تینوں میں عربی اور فارسی لفظوں کا میل ہے۔صرف صیغوں کے طریقے میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے موجودہ اُردو ان ہی زبانوں کی ترقی یافتہ اور اصلاح شدہ شکل ہے۔ 57

سندھ و ملتان حتیٰ کہ سارے ہندوستان میں اسی لسانی عملِ نفوذ نے اس زبان کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔جنوبی پنجاب میں اُردو کے اولین نقوش واثرات کے حوالے سے جمیل جالبی نے لکھا ہے:

> یہ زبان محمد بن قاسم، محمود غزنوی اور مسلمانوں کے اقتدار سے بہت پہلے سے یہاں موجود تھی اور اس کا حلقۂ اثر وسیع تھا۔مسلمانوں نے اسے اپنی سیاسی ومعاشرتی ضرورت کے تحت اپنایا اور اس میں تازہ خون شامل کر کے، اپنی تہذیبی توانائی سے، اُسے نئی زندگی اور نیا رنگ روپ بخشا اور ساتھ ہی ساتھ برعظیم کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک پھیلا دیا۔ 58

ڈاکٹر جمیل جالبی کی یہ رائے یقیناً وقیع ہے کہ ملتانی زبان نے اُردو کی ابتدائی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا ہے۔''اُردو کی ابتدائی تشکیل کے زمانے میں اہلِ پنجاب و ملتان کا اثر برعظیم کی سیاست ومعاشرت پر بہت گہرا رہا ہے''۔ 59

اہل ملتان اور پنجاب نے برصغیر کی سیاست پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔لہٰذا ان کی معاشرت نے بھی نئی زبان کی تشکیل میں

یقیناً اہم کردار ادا کیا ہوگا۔ حافظ محمود شیرانی نے بھی کم وبیش یہی بات کی ہے۔ ''اردو کی داغ بیل اس دن سے پڑنی شروع ہوگئی جس دن سے مسلمانوں نے ہندوستان میں توطن اختیار کیا''[60]۔اس حوالے سے پہلا دور عرب مسلمانوں کا ہے وہ محمد بن قاسم کی قیادت میں یہاں پہنچے اور سندھ وملتان ان کے سیاسی مراکز بنے۔

مذکورہ بحث کے ضمن میں مسعود حسن شہاب رقمطراز ہیں: ''ایک اندازے کے مطابق ساٹھ فیصد الفاظ ایسے ہیں جو سرائیکی اور اردو میں مشترک ہیں جن سے یہ نتیجہ نکالنا غلط نہیں معلوم ہوتا کہ اردو کا ابتدائی ماخذ سرائیکی زبان ہے۔ [61] حافظ محمود شیرانی نے یہاں تک کہہ دیا ہے''ہم دیکھتے ہیں کہ اردو اپنی صرف ونحو میں ملتانی زبان کے بہت قریب ہے''[62]۔صرفی اور نحوی قربت بھی یہی واضح کرتی ہے کہ اُردو کی ابتدائی نشوونما وارتقاء ملتان اوراس کے ملحقہ علاقوں میں ہوا ہے۔ اُردو زبان کی ابتدائی تشکیل کے حوالے سے مولانا نوراحمد فریدی نے لکھا ہے: ''ملتان میں عربی، فارسی اور سرائیکی کے اختلاط سے ایک نئی زبان جنم لے رہی تھی جس نے آگے چل کر اُردو نام پایا''[63]جنوبی پنجاب میں اُردو کے اولین نقوش واثرات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر جمیل جالبی نے لکھا ہے:

> اسی لیے اس سرزمین پر جہاں جہاں مسلمان پھیلتے گئے زندگی کی گہما گہمی اور تہذیب کی ہماہمی کا آغاز ہوتا گیا۔ پہلے یہ عمل سندھ وملتان میں ہوا، پھر پھیل کر سرحد، پنجاب اور میرٹھ ونواحِ دہلی تک پہنچ گیا۔۔۔اسی کے ساتھ ساتھ ایک مشترک زبان کے خدوخال بھی اجاگر ہوتے گئے۔ [64]

مختصر یہ کہ مسلمانوں کی فتوحات اور اُن کے تہذیبی وتمدنی ارتباط نے اُردو کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ مسلمان جو عربی اور فارسی بولنے والے تھے جہاں جہاں بھی گئے اپنے تہذیبی اور تمدنی عناصر کے اثرات چھوڑتے گئے اور انہیں عناصر کی وجہ سے نئی زبان کی تشکیل وتعمیر کا سلسلہ بھی جاری رہا۔

محمد بن قاسم کے بعد شمال سے آنے والے حملہ آوروں کا بھی پہلا پڑاؤ جنوبی پنجاب میں ہوا۔اس لیے ہندوستان کا یہی علاقہ سب سے پہلے لسانی طور پر متاثر ہوا۔اس ضمن میں ڈاکٹر طاہر تونسوی نے لکھا ہے: ''اس تناظر میں لسانیات کے بعض محققین نے ملتان کو اُردو کا ابتدائی مرکز قرار دیا ہے۔اُردو کے ابتدائی نقوش اسی خطے سے تلاش کیے ہیں''[65]۔یہی وجہ ہے کہ قدیم اُردو میں ملتانی (سرائیکی) کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں بلکہ مسعود حسن شہاب کی رائے یہ ہے کہ جدید دور کی اُردو بھی ملتانی زبان کے اثرات سے خالی نہیں ہے۔ انھوں نے لکھا ہے:

> ہندوستان میں باہر سے آنے والے قبائل اور خاندانوں کے میل جول سے معرضِ وجود میں آنے والی زبان اُردو کا عمل تخلیق پہلے پہل وہاں شروع ہوا جہاں سرائیکی بولی جاتی تھی اور جب اُسے ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں پنپنے اور پروان چڑھنے کا موقع ملا تو وہ ابتدائی اثرات جو اس نے سرائیکی بولے جانے والے علاقوں میں قبول کیے تھے وہ یکسر ختم نہیں ہوئے۔چنانچہ نہ صرف قدیم اُردو کے نمونوں میں ہمیں ان اثرات کی جھلک نظر آتی ہے بلکہ موجودہ ترقی یافتہ اُردو میں بھی اس کے نشانات دیکھے جاسکتے ہیں۔[66]

اُردو کی ابتدا اور پھر اس کے دہلی تک لسانی سفر کو ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس طرح بیان کیا ہے:

> غرض یہ زبان اپنی ابتدائی شکل میں سندھ وملتان کے علاقے میں عربوں کے زیرِ اثر بننی شروع ہوئی۔محمود غزنوی کے

بعد جب اہلِ غزنہ نے سندھ و پنجاب اور میرٹھ تک کے علاقے پر اپنی حکومت قائم کر کے لاہور کو اپنا دارالحکومت بنایا تو یہ نئی زبان 1026ء سے 1182ء تک اپنے خدوخال اس علاقے میں بناتی رہی۔ غوریوں کے ساتھ جب دہلی زیرِ نگیں آ گیا اور قطب الدین ایبک برِعظیم کا پہلا بادشاہ بنا تو اختلاط و ارتباط کا عمل اور تیز ہو گیا۔ 1210 میں التمش اپنا دارالحکومت لاہور سے دہلی لے آیا اور اسی کے ساتھ پنجاب، ملتان اور سندھ کی اس کھچڑی زبان کا اقتدار دہلی پر قائم ہو گیا۔۔۔ مسلمانوں کی فتوحات کے ساتھ یہ زبان گجرات، دکن، مالوہ اور دوسرے علاقوں میں بھی پھیل گئی اور سارے ہندوستان میں واحد مشترک زبان کی حیثیت سے ابھرنے لگی۔ 67

افغانوں اور ترکوں کی فوجیں طویل عرصہ ملتان، پنجاب اور پھر دہلی میں مقیم رہی۔ دہلی کے بعد جب وہ گجرات اور دکن کی طرف اپنی مہمات کا سلسلہ شروع کرتی ہیں تو اِسی زبان کو ساتھ لے جاتی ہیں۔ ملتانیوں، افغانیوں اور ترکوں پر مشتمل فوجیں دہلی اور اس کے اطراف میں رہتے ہوئے اس زبان کو اختیار کر چکی تھیں۔ جو اِن علاقوں میں تشکیل پا رہی تھی جب وہ دکن اور جنوبی ہند آئے تو اِسی زبان کو اپنے ساتھ لائے۔ سب سے اہم وہ صوفی آئے جن کے آنے کا مقصد جنوب میں اشاعتِ اسلام تھا۔ یہ صوفی زیادہ تر اوچ، ملتان، لاہور اور دہلی وغیرہ سے آئے اور اپنے علاقے کی زبان ہی کو وہ تبلیغ اور ہدایت کے لیے استعمال کرتے تھے۔

محمود غزنوی کے بعد غوریوں نے جب اوچ اور ملتان کا علاقہ فتح کیا تو اِسی دور میں اولیائے کرام وسطی ایشیاء، ایران اور عرب سے آنا شروع ہو گئے۔ جن کے اولین مراکز ملتان اور اوچ بنے۔ انہی مراکز میں صوفیائے کرام نے درسگاہوں کی بنیاد رکھی۔ سلاطین دہلی کے دور میں اوچ اور ملتان علم و ادب اور تصوف کے گہوارے بنے اور یہاں کے صوفیائے کرام نے علم و ادب کے حوالے سے پورے ہندوستان کو متاثر کیا۔ ان اولین صوفیاء میں بہاؤالدین زکریاؒ ملتانی، حضرت جلال الدین سرخ پوش بخاری، شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر اور جہانیاں جہاں گشت نمایاں ہیں۔

ان بزرگوں نے ملتان اور اوچ کے ابتدائی علمی مراکز میں درس و تدریس کی خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان کے ترتیب یافتہ صوفیاء پورے برصغیر میں پھیل گئے۔ ان بزرگوں کے جنوبی پنجاب میں وارد ہونے سے پہلے ایک مخلوط زبان کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ ان بزرگوں نے درس و تبلیغ کے سلسلے میں مخلوط زبان (اُردو) کو وسیلۂ اظہار بنایا۔ ملتان اور اوچ کے صوفیا کا براہ راست تعلق دہلی اور گجرات سے رہا ہے۔ اُن کے عقیدت مندوں اور خلفا نے دہلی گجرات اور دکن کے علاقوں کو رشد و ہدایت کا مرکز بھی بنایا۔ انہوں نے رشد و ہدایت اور سماجی رابطے کے لیے جو زبان استعمال کی وہ بعد ازاں اُردو کہلائی۔ ایس۔ آر شرما نے لکھا ہے

"The mystic of Deccan who started preaching and propagating their philosophy of universal love in fifteenth century were the pioneers of Urdu literature."68

معین الدین چشتی، حضرت بختیار کاکی، فریدالدین گنج شکر اور جہانیاں جہاں گشت کے تاریخی احوال سے ثابت ہوتا ہے کہ انھوں نے اُردو زبان میں گفتگو کی اور ان کا کلام بھی تاریخِ ادبِ اُردو کی کتب میں موجود ہے۔

جنوبی پنجاب میں جس صوفی بزرگ نے اُردو زبان کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ وہ شیخ فریدالدین مسعود گنج شکر ہیں۔ ان

کی شاعری، فارسی اور ہندی میں ہے۔ان کے ہاں ایسے الفاظ وتراکیب موجود ہیں جنہیں محققین نے اُردو کے اولین نقوش قرار دیا ہے۔اس کے متعلق بلونت سنگھ آنند نے لکھا ہے: ''بابا فرید عام لوگوں کی زبان یعنی ہندی استعمال کرتے تھے۔ ہندی جو کہ اُردو اور ملتانی پنجابی کا سب سے ابتدائی روپ تھی۔انہیں عام انسان کے قریب لانے کا ذریعہ بنی۔''69 بابا فرید گنج شکرؒ کی زبان کے بارے میں مسعود حسن شہاب نے لکھا ہے:

> آپ نے ایامِ ریاضت کا کچھ عرصہ اوچ کی مسجد حاجات میں گذارا ہے اور اس کے ملحقہ کنویں میں نمازِ معکوس ادا فرمائی۔ اس دوران ایک کوا آپ کے اوپر آ کر بیٹھا اور آپ کے جسم پر چونچیں مارنے لگا۔جب اُس نے آنکھ پر چونچ مارنی چاہی تو آپ نے یہ شعر پڑھا۔

کاواں کرنگ ٹکیندیاں سب چن کھائیو ماس
ایہ دو نین مت کھائیو ملن دی ہاسے آس 70

900 سے 1100ء تک یہاں (ملتان اور اوچ) میں ایران، افغانستان اور وسطی ایشیا سے صوفیا کے گروہ وارد ہوتے رہے۔ برصغیر میں چاروں اطراف پھیلے ہوئے صوفیا کا مرکز یہی خطہ ہے۔گرنتھ صاحب کے حوالے سے بابا فرید کا کلام جمیل جالبی نے درج کیا ہے:

فریدا رتی رت نہ نکلے جے تن چیرے کوئے
جو تن رتے رب سیوں تِن تن رت نہ ہوئے
فریدا میں جانیا دکھ مجھ کوں دکھہ سبایئے جگ
اوچے چڑھ کے دیکھیا تاں گھر گھر ایہا اگ 71

ملتان، پاکپتن، لاہور اور دلی روحانی روشنی کے مراکز بن چکے تھے جہاں سے ہزاروں انسان شب و روز صوفیانہ مسلک کی ہدایت سے فیض یاب ہوتے تھے۔ان علاقوں میں چشتی اور سہروردی مسلک کے صوفیا روحانی روشنی کے مراکز کی حیثیت رکھتے تھے۔سلاطینِ دہلی کے دور میں ملتان اور اوچ کا علاقہ یعنی موجودہ جنوبی پنجاب علم وادب کے حوالے سے بہت زیادہ اہمیت اختیار کر گیا۔غیاث الدین بلبن کا بیٹا شہزادہ محمد جب گورنر ملتان بنا تو اس نے صاحبانِ علم وادب کو اپنے دربار میں بہت پذیرائی دی۔ان میں امیر خسرو بھی شامل ہیں جو پانچ سال تک ملتان میں رہے۔

اِس دور میں مغل مسلسل جنوبی پنجاب پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ان حملوں میں شہزادہ محمد مارا گیا اور امیر خسرو قیدی بن کر دو سال منگولوں کے پاس رہے۔اس حوالے سے ڈاکٹر مہر عبدالحق نے لکھا ہے:

> 1284ء میں سلطان محمد نے مغلوں کو شکست دی لیکن بدقسمتی سے وہ اپنے ساتھیوں سے علیحدہ ہو گیا اور دشمنوں نے موقع پا کر اسے قتل کر دیا۔مورخین اسے ''خان شہید'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔امیر خسرو اپنی مشہور مثنوی قران السعدین میں اسی لڑائی میں مغلوں کے ہاتھوں گرفتار ہونے کا ذکر کرتے ہیں اور ایک شعر میں ملتانی کا لفظ ''جُل'' بڑی خوبی سے استعمال کرتے ہیں:

من کہ بر سر نمے نہا دم گُل
بار بر سر نہا د و گفتا جُل 72

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملتانی زبان کے الفاظ فارسی شاعری میں شامل ہو رہے تھے جو آگے چل کر اُردو شاعری کی لفظیات وتراکیب

میں شامل ہوگئے۔امیر خسرو کے اُردو کلام میں تراکیب کی نشاندہی ڈاکٹر مہر عبدالحق نے کی ہے جو درج ذیل ہے۔

بھائی رے ملا جو ہم کوں پار اُتار
ہاتھ کا دیونگی مندر گل کا دیووں گی ہار
دیکھ میں اپنے حال کوں رووں زاروزار
بابل بھیجی میں ونج کوں تاندا کو پھول
بے گنونتا بہت ہیں ہم ہیں اوگن ہار
ہو چا ونج وھا جیاناں لدھا مول 73

امیر خسرو کے کلام میں ان الفاظ کا ملنا ملتانی اثر کی غمازی کرتا ہے۔ڈاکٹر وحید مرزا نے لکھا ہے:''ملتان کے دربار میں خسرو کے علاوہ سب سے زیادہ مشہور شاعر سید حسن سنجری تھے۔یہ تقریباً خسرو کے ہم عصر تھے اور غزل گوئی میں کمال رکھتے تھے۔اِسی مناسبت سے اُنہیں سعدیِ ہند بھی کہا جاتا تھا''۔ 74 سید حسن سنجری وہی صوفی بزرگ اور فارسی کے شاعر ہیں جنھوں نے محمد تغلق کے فیصلے پر دہلی چھوڑی اور دولت آباد پہنچے۔اس طرح جنوبی پنجاب اور بالخصوص ملتان کے سیاسی اور تہذیبی روابط دلی کے ساتھ ساتھ گجرات و دکن کے ساتھ استوار ہوئے۔ڈاکٹر طاہر تونسوی نے امیر خسرو کے ساتھ حسن سنجری کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> امیر خسرو کے ساتھ امیر حسن سنجری بھی پانچ سال تک ملتان میں قیام پذیر رہے اور شہزادہ محمد کے دربار کی علمی و ادبی رونق میں اضافے کا باعث بنے رہے۔امیر حسن فارسی کے علاوہ اُردو میں بھی شعر کہتے تھے ان کے دو ریختے دریافت ہوئے ہیں:

ہر لحظہ آید درد لم دیکھوں سے ٹک جائے کر
گویم حکایت ہجر خود باآں صنم جیو لائے کر
آں سیم تن گوید مرا در کوئے ما آئی چرا
ماہی صفت تر پھول پڑا جو ٹک نہ دیکھوں جائے کر

اے دل زعشقت دم زدم ہیر ی بھیتر آتش جلے
نہ صبر نہ طاقت نہ مہر عادت ہے تجھے
زیں شعلہ آتش کیوں بجھے بیچارہ عاشق تلملے
گوید حسنؔ یہ ریختہ سنسار دیکھ کیوں جلے 75

ملتان علم وادب کا مرکز تھا۔تصوف ،فکر وفلسفہ اور اُردو شاعری کے اولین سوتے یہیں سے پھوٹتے ہیں۔اُردو پر جنوبی پنجاب کے اثرات زیرِ بحث لاتے ہوئے ڈاکٹر وحید قریشی نے لکھا ہے:

> ملتان کے علاقے کی زبان اس وجہ سے اُن (محمود شیرانی) کی خصوصی توجہ کا سبب بنی کہ مسلمان ملتان ولاہور کے راستے دہلی اور دوسرے علاقوں میں پہنچتے تھے۔خود دہلی میں سلطانی دور میں ملتانی تاجر بکثرت موجود تھے۔ مسلمان ممالک کے ساتھ تجارتی تعلقات میں سے اہم راستہ ملتان ہی سے گزرتا تھا۔اس لحاظ سے اُردو زبان پر ملتانی اثرات نہایت گہرے ہیں۔ 76

ڈاکٹر وحید قریشی کی رائے برصغیر کی تاریخ کے تناظر میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔مثال کے طور پر غازی الملک تغلق جو بعد ازاں سلطان غیاث الدین تغلق کے نام سے تختِ دلی پر بیٹھا۔ملتان اور دیپال پور کا گورنر تھا۔اس کا بیٹا محمد تغلق ملتان میں پیدا ہوا۔جس کے نام کے حوالے سے ملتان شہر میں کوٹلہ تولے خان آج بھی موجود ہے۔اسی طرح گورنر ملتان سید خضر حسن نے امیر تیمور کے ساتھ دلی پر حملہ کیا اور امیر تیمور کے بعد خاندان سادات کا بانی بنا۔جس نے کم وبیش 35 برس تک تخت دلی پر حکومت کی۔وہ ملتان میں پیدا ہوا۔

تاریخ میں اوچ سیاسی لحاظ سے بہت اہمیت کا حامل رہا ہے لیکن اس شہر کی عظمت کی اصل وجہ یہاں کی بزرگ ہستیاں ہیں جنھوں نے اپنے علمی اور روحانی کمالات سے صدیوں تک پورے ہندوستان کو مستفید کیا ہے۔شمال سے حملہ آوروں کے ساتھ صوفیائے کرام کی آمد کا جو سلسلہ شروع ہوا تو سب سے پہلے بزرگ سید صفی الدین گازرونی جو چوتھی ہجری میں اوچ میں وارد ہوئے انھوں نے یہاں ایک مدرسہ کی بنیاد رکھی۔اوچ میں اسماعلیہ سلسلہ کے بزرگ صدرالدین نے یہاں سے اپنی تبلیغ کا آغاز کیا اوچ میں سہروردی سلسلہ کا آغاز حضرت جلال الدین سرخ پوش بخاری نے کیا مخدوم جہانیاں جہاں گشت ان کے پوتے تھے۔

سید محمد غوث جو ہندوستان میں قادری سلسلہ کے بانی ہیں۔آٹھویں صدی ہجری میں یہاں تشریف لائے۔گویا کہا جا سکتا ہے کہ سہروردی اور قادری سلسلے کی بنیاد ہندوستان میں اوچ سے شروع ہوتی ہے۔اوچ کی مشہور درسگاہوں میں مدرسہ فیروزیہ، مدرسہ جلالیہ اور مدرسہ قادریہ شامل ہیں۔ان مدرسوں میں صوفیائے اوچ کے علاوہ جن شخصیات نے درس وتدریس کا کام سرانجام دیا ہے اُن میں قاضی منہاج الدین سراج ،مصنف ''طبقات ناصری''، علی بن حامد بن ابوبکر کوفی جو''چچ نامہ'' کے مصنف ہیں جو سندھ کے حوالے سے ایک مستند تاریخی کتاب ہے۔نورالدین محمد عوفی نے''لباب الالباب''اوچ میں تصنیف کی۔ملتان کے ساتھ ساتھ اوچ بھی علم وادب کا مرکز رہا ہے۔اوچ کے صوفیائے کرام کے خلفاء اور اولاد نے پورے ہندوستان میں رشد وہدایت کا فریضہ سرانجام دیا اور اپنے افکار کی تبلیغ وترویج کے لیے انھوں نے عوام الناس کی زبان کو وسیلۂ اظہار بنایا۔

اُردو کی تعمیر وتشکیل میں بزرگانِ اوچ کا اہم کردار ہے۔انھوں نے جنوبی پنجاب کے علاوہ دہلی، گجرات اور دکن تک تبلیغ وترویج کی ہے اور اُردو کی گرانقدر خدمات سرانجام دی۔اوچ کی اہمیت وافادیت کے حوالے سے زبیر شفیع غوری نے لکھا ہے:''کشمیر سے لے کر راس کماری تک ہر شہر اور ہر علاقہ میں کسی نہ کسی ایسے بزرگ کا سراغ ضرور ملے گا جو یا تو حسب ونسب کے اعتبار سے اوچ سے نسبت رکھتا ہوگا یا پھر اوچ کی کسی علمی یا روحانی درسگاہ کا تربیت یافتہ ہوگا''۔ 77۔

بزرگانِ اوچ نے جہاں دہلی اور گردونواح میں رشد وہدایت کا کام سرانجام دیا ہے وہاں گجرات ،احمد آباد اور دکن میں بھی ان کے

عقیدت مند اور خلفا تبلیغ و ترویج میں مصروفِ عمل تھے۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی وفات کے بعد ان کے بھائی حضرت صدر الدین راجو قتال مسند پر بیٹھے اور اپنے آباء کے کام کو آگے بڑھایا ان کا اصل کام ان عظیم ہستیوں کو تیار کرنا تھا جن سے گجرات میں اسلام کی روشنی پھیلی۔

صوفیائے اوچ میں سے مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت کی اولاد روحانی رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دیتی رہی ہے۔ ان کے پوتے قطب العالم کے حوالے سے مسعود حسن شہاب نے لکھا ہے: ''قطب العالم سید برہان الدین گجراتی ان کی اولاد بٹوا (احمد آباد)، حیدر آباد دکن، گلبرگہ، مدراس اور گجرات میں موجود ہے''۔ 78

صوفیائے اوچ کا حلقہ اثر گجرات و دکن تک پھیلا ہوا ہے۔ مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے منسوب درج ذیل جملہ اس بات کی نشاندہی کر رہا ہے کہ گجرات اور اوچ میں رشد و ہدایت کا وسیلہ ایک مشترک زبان رہی مسعود حسن شہاب نے لکھا ہے:

حضرت قطب العالم (برہان الدین) حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کے پوتے تھے۔ مناقب برہانی میں مذکور ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت اپنی سیاحت گجرات کے دوران جب بٹوا پہنچے تو آپ نے اسی جگہ قیام فرمایا جہاں آج کل حضرت قطب العالم کا مزار ہے۔ آپ نے اس جگہ فرمایا:

لتھا اساڈے ہاڈاں دی خوشبو ہے
یہاں ہماری ہڈیوں (نسل) کی خوشبو ہے 79

طارق رحمٰن نے دکن میں اردو شاعری کے حوالے سے لکھا ہے۔

" By the time of later Mughal, and even earlier in Deccan, Urdu had become the language of verse and aspiring poets learnt it infromally from accomplished poets."80

جمیل جالبی نے اُردو اور اولیائے اوچ کے حوالے سے لکھا ہے:

اسی طرح 'جمعات شاہیہ'، میں اور فقرے بھی ملتے ہیں مثلاً ''والدین مخدوم سید محمد راجو قتال درمیان آمد کہ ایشاں برادر خواجہ و پسر خالہ و مرید و خلیفہ حضرت سید الاقطاب مخدوم جہانیاں دام جلالہ می باشد و اسم والدہ حضرت الشیان جنت خاتون است۔ حضرت مخدومیہ در حق الیشان بزبان اُچھ میفرمودند مہ ''تُساں راجے اساں خوجے یعنی تو بادشاہ من وزیر۔ 81

ڈاکٹر روبینہ ترین نے لکھا ہے:

سید سلیمان ندوی، حافظ محمود شیرانی، حبیب الرحمٰن، مولوی عبدالحق، ڈاکٹر جمیل جالبی، ڈاکٹر مہر عبدالحق، پیر حسام الدین راشدی، ابوظفر ندوی، ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی اور دیگر محققین اور ماہرِ لسانیات کا یہ کہنا بے جا نہیں کہ اُردو کا پہلا گہوارہ وادیِ سندھ اور ملتان کی سرزمین ہے۔ اس کے بعد لسانی تشکیلات کا یہ عمل دوسرے علاقوں میں پھیلتا چلا گیا۔ 82

گریرسن نے لکھا ہے۔

"As a literary language, the earliest specimens of Hundustani are in Urdu."83

دکنی دور کی پہلی مثنوی جواب تک دریافت ہوئی ہے۔ وہ فخر دین نظامی کی ''کدم راؤ پدم راؤ'' ہے۔ جمیل جالبی نے لکھا ہے:

''یہ مثنوی خاندان بہمنی کے نویں بادشاہ سلطان احمد شاہ ولی بہمنی (825ھ۔838ھ/1421ء۔1434ء) کے زمانے میں لکھی گئی۔

سنیا تھا کہ نارے دھرے بہت چھند
سو میں آج دیٹھا تری چھند پند
وہی چھند جب میں دیٹھا جگ میں
اُسی ویل تھیں ہوں پڑیا دگ میں 84

اس میں نشان زدہ الفاظ خالصتاً ملتانی (سرائیکی) کے ہیں۔ ملا وجہی کی مثنوی قطب مشتری کے حوالے سے چند اشعار جن میں ملتانی (سرائیکی) کے الفاظ موجود ہیں:

لگے مست ہو سٹنے مستی سنگات
لکس کے سو پاواں اپر ایک ہاٹ'' 85

گرونا نک کے کلام میں بھی ملتانی (سرائیکی) کے الفاظ موجود ہیں۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو:

متھے ٹِکا لال ہے گل وچ مالا چار
باد فروسی سکھیا ٹھگن نوں سنسار

کوٹھے منڈپ ماڑیاں ، باھروں چتویاں
ڈِٹھیاں کم نہ آونی وچوں سکھنیاں 86

میر تقی میرؔ کے کلام میں بھی ملتانی (سرائیکی) کے الفاظ موجود ہیں:

لقمہ ظلم نہیں پچتا عدالت میں تری
باز نگلی ہوئی چڑیا کے تیئں دے ہے اُگل 87

جنوبی پنجاب کے تہذیبی اور لسانی روابط پورے برصغیر سے استوار رہے ہیں۔ ملتان اور اوچ کے صوفیا دہلی، گجرات اور دکن تک رشد و ہدایت کا فریضہ سرانجام دیتے رہے ہیں۔ اس طرح جنوبی پنجاب کی دہلی، گجرات اور دکن کے ساتھ لسانی ہم آہنگی پیدا ہوئی۔ یہی لسانی ہم آہنگی بعدازاں پورے جنوبی ایشیا کی اہم زبان اُردو کے طور پر سامنے آئی۔

حوالہ جات

۱۔ بحوالہ مکتوب بنام راقم از محمد سعید احمد ایگزیکٹوڈسٹرکٹ آفیسر کمیونٹی ڈیلو یلپمنٹ ملتان مورخہ 17-10-2008۔

۲۔ شوکت مغل، پروفیسر، (مضمون) مشمولہ، جنوبی پنجاب میں اُردو شاعری از ڈاکٹر شکیل پتافی، جھوک پبلشرز، ملتان، 2008ء، ص،16۔

۳۔ عبدالحق، مہر، ڈاکٹر، ملتانی زبان اور اُس کا اُردو سے تعلق، اُردو اکیڈمی، بہاول پور، 1967، ص،108۔

۴۔ جنوبی پنجاب میں اُردو شاعری، ص،25۔

۵۔ عتیق فکری، نقشِ ملتان، (جلد اول) فکری اکیڈمی، ملتان، 1982، ص،47۔

۶۔ عبدالحمید، عتیق فکری، العتیق، العتیق، سرائیکی ادبی مجلس، بہاول پور، 1971ء، ص،6۔

۷۔ ملتانی زبان اور اُس کا اُردو سے تعلق، ص،86۔

۸۔ ایضاً، ص، 11۔

۹۔ نقشِ ملتان، (جلد اول)، ص، 47۔

۱۰۔ ابنِ حنیف، سات دریاؤں کی سرزمین، فکشن ہاؤس، لاہور، 1997ء، ص،218۔

۱۱۔ یحییٰ امجد، تاریخِ پاکستان (وسطی عہد)، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1997، ص،163۔

۱۲۔ ملتانی زبان اور اُس کا اُردو سے تعلق، ص،85۔

۱۳۔ مسعود حسن شہاب، خطۂ پاک اوچ، اُردو اکیڈمی، بہاول پور، طبع سوم، 1993ء، ص،35۔

۱۴۔ ایضاً، ص،32۔

۱۵۔ تاریخِ پاکستان (وسطی عہد)، ص، 161۔

۱۶۔ Parsad,Ishwari,A Short History of Muslim Rule in India,The Indian Press (Publications)Pvt.Limited,Allahabad,1958,Page.31

۱۷۔ تاریخِ پاکستان (وسطی عہد)، ص،429۔

۱۸۔ ایضاً، ص، 461۔

۱۹۔ ایضاً، ص،488۔

۲۰۔ ایضاً، ص،494-495۔

۲۱۔ ایضاً، ص،495-496۔

۲۲۔ ایضاً، ص،499۔

۲۳۔ اعجاز الحق قدوسی، مولانا، تاریخِ سندھ، (جلد اول)، اُردو سائنس بورڈ کراچی، 1985ء، ص، 304۔

۲۴۔ تاریخِ پاکستان (وسطی عہد)، ص،490۔

۲۵۔ ایضاً،ص،503۔

۲۶۔ Parsad,Ishwari,A Short History of Muslim Rule in India,The Indian Press (Publications)Pvt.Limited,Allahabad,1958,Page.39

۲۷۔ تاریخِ پاکستان (وسطی عہد)،صِ539

۲۸۔ ایضاً،ص،602۔

۲۹۔ ایضاً، ص،627-628۔

۳۰۔ ایضاً،ص،630۔

۳۱۔ Ikram,S.M, History of Muslim Civilization in India and Pakistan,Institute of Islamic Culture, Lahore 10th Edition,2007.page 65.

۳۲۔ تاریخِ پاکستان (وسطی عہد)،صِ622

۳۳۔ Ikram,S.M, History of Muslim Civilization in India and Pakistan,Institute of Islamic Culture, Lahore 10th Edition,2007.page 88

۳۴ ملتانی زبان اور اُس کا اُردو سے تعلق،ص،117۔

۳۵۔ تاریخِ پاکستان (وسطی عہد)،صِ684

۳۶۔ وحید مرزا، ڈاکٹر،سوانح عمری امیر خسرو، بک ہوم،لاہور، 2007،ص۔54

۳۷۔ تاریخِ پاکستان (وسطی عہد)،صِ754

۳۸۔ سید اولاد علی گیلانی،مرقع ملتان، فیروز سنز،لاہور،1939ء،ص،134۔

۳۹۔ یحییٰ احمد، ڈاکٹر،اُردو سرائیکی لسانی وتہذیبی اشتراکات، (مضمون) مطبوعہ،سہ ماہی ادبیات، اپریل تا ستمبر 2008ء،اکادمی ادبیات پاکستان،اسلام آباد،ص،591۔

۴۰۔ تاریخِ پاکستان (وسطی عہد)،ص،771۔

۴۱۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر،اُردو ادب کی تاریخ،سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور،2003ء،ص،56۔

۴۲۔ تاریخِ پاکستان (وسطی عہد)،ص،842۔

۴۳۔ Ikram,S.M, History of Muslim Civilization in India and Pakistan,Institute of Islamic Culture, Lahore 10th Edition,2007.page 146

۴۴۔ روبینہ ترین، ڈاکٹر،ملتان کی تدریسی زندگی پر صوفیا کے اثرات، (مضمون) مطبوعہ،مجلّہ چندر آب، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی،ملتان،6-2005ء،ص،151۔

۴۵۔ A.Smith,Vincent,Oxford History of India,Oxford University

Press,1958,page.263

۴۶۔ یحییٰ احمد، ڈاکٹر، اُردو سرائیکی لسانی وتہذیبی اشتراکات، (مضمون) مطبوعہ، سہ ماہی ادبیات، اپریل تا ستمبر 2008ء، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ص، 591۔

۴۷۔ صادق جعفری، ملتان سبھ صورت عین ظہور، (مضمون) مطبوعہ، خصوصی ایڈیشن، روزنامہ جنگ ملتان، 7 اکتوبر، 2002ء۔

۴۸۔ عبدالحق، مہر، ڈاکٹر، ملتان کے بادشاہ، نامور گورنر اور حملہ آور، بیکن بکس، ملتان، 1994ء، ص، 136۔

۴۹۔ مسعود حسن شہاب، بہاول پور میں اُردو، اُردو اکیڈمی، بہاول پور، 1983ء، ص، 36۔

۵۰۔ ایضاً، ص، 26۔

۵۱۔ ایضاً، ص، 36۔

۵۲۔ ایضاً، ص، 38۔

۵۳۔ بہاول پور میں اُردو، ص، 40۔

۵۴۔ نقشِ ملتان (جلد اول)، ص، 47۔

۵۵۔ سات دریاؤں کی سرزمین، ص، 222۔

۵۶۔ سلیمان ندوی، سید، نقوشِ سلیمانی، اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی، 1967ء، ص، 21۔

۵۷۔ ایضاً، ص، 34-35۔

۵۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو، (جلد اول)، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1995ء، ص، 49۔

۵۹۔ ایضاً، ص، 153۔

۶۰۔ محمود شیرانی، حافظ، پنجاب میں اُردو، (جلد اول) مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1986ء، ص، 43۔

۶۱۔ بہاول پور میں اُردو، ص، 25۔

۶۲۔ پنجاب میں اُردو، (جلد اول)، ص، 8۔

۶۳۔ نور احمد فریدی، مولانا، تاریخ ملتان، (جلد دوم) قصر الادب، ملتان، 1973ء، ص، 432۔

۶۴۔ تاریخ ادب اُردو، (جلد اول)، ص، 10-11۔

۶۵۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، ملتان میں اُردو شاعری، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1984، ص، 14۔

۶۶۔ بہاول پور میں اُردو، ص، 19۔

۶۷۔ تاریخ ادب اُردو، (جلد اول)، ص، 673-674۔

۶۸۔ Sharma,S.R,Teaching and Development of Urdu, Anmol publication,New Dehli,1st Edtition,1993,page224

۶۹۔ بلونت سنگھ آنند، بابا فرید، مترجم، مہرافشاں فاروقی، فکشن ہاؤس، لاہور، 2004ء، ص، 37۔

۷۰۔ خطۂ پاک اوچ، ص، 393۔

۷۱۔ ایضاً، 617-618۔

۷۲۔ ملتانی زبان اور اُس کا اُردو سے تعلق، ص، 117۔

۷۳۔ ایضاً، ص، 534-535۔

۷۴۔ سوانح عمری، امیر خسرو، ص، 56۔

۷۵۔ ملتان میں اُردو شاعری، ص، 33۔

۷۶۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، دیباچہ، مشمولہ، ملتان میں اُردو شاعری، از ڈاکٹر طاہر تونسوی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، 1984، ص، 8۔

۷۷۔ زبیر شفیع غوری، اوچ شریف، آزاد انٹر پرائزز، لاہور، 1999ء، ص، 136۔

۷۸۔ خطۂ پاک اوچ، ص، 290۔

۷۹۔ ایضاً، ص، 377۔

۸۰۔ Tariq Rehman,Urdu in British India,Languge,Ideology and Power, Mehran Printers,Karachi,2002,Page203

۸۱۔ تاریخ ادب اُردو، (جلد اول) ص، 97-98۔

۸۲ ملتان کی ادبی وتہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ، ص، 82۔

۸۳۔ Gaierson,G.A,Linguistic survey of Pakistan,Vol-III, Reprinted by Accurate Printers,New Anarkali,Post box No.1338,Lahore, Paksitan,Page 47

۸۴ تاریخ ادب اُردو، (جلد اول) ص، 162-163۔

۸۵۔ عبدالحق، مولوی، ڈاکٹر، (مرتب) ملاوجہی۔ قطب مشتری، انجمن ترقی اُردو، کراچی، 1953ء، ص، 63۔

۸۶۔ پنجاب میں اُردو، حصہ اول، ص، 195۔

۸۷۔ ملتانی زبان اور اُس کا اُردو سے تعلق، ص، 559-561۔